جلد 20 شمارہ 11 ماہ نومبر 2018ء ربیع الاول 1440ھ

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

صداقت

اللہ

محبت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض و مقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اس کی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد و بغض، تجسّس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم و رضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل و عیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالی کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح وخدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالی کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد
خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈارؒ
بانی مجلّہ فلاح آدمیت

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ
مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph: 055-3411030 ای میل: info@tauheediyah.com
Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے

سالانہ فنڈ -/300 روپے

اس شمارے میں

حمد باری تعالیٰ

(ذکی الدین)

تیرا ذکر ہر بزم میں ، ہر انجمن میں
تیرا جلوہ ہر دشت میں ہر چمن میں

بیاباں کے زرے ہیں، تیرے ثناء خواں
تو ہی جلوہ افروز ہے گل کی پھبن میں

تیری قدرت کاملہ کی ہے شاہد
بچھی ہے صف کہکشاں جو گگن میں

تیرے نغمے ہیں آبشاروں کے لب پر
تیرا نور پھیلا ہے کوہ دمن میں

اسے آب دے کر موتی بنائے
گرے قطرہ جو صدف کے دہن میں

ذکی کو بھی سوز نوا ،تو نے بخشا
تو ہی جلوہ افروز ہے اس کے فن میں

نعت رسول مقبول ﷺ

خوشبو ہے دو عالم میں تیری اے گل چیدہ
کس منہ سے بیاں ہوں تیرے اوصاف حمیدہ

تجھ سا کوئی آیا ہے نہ آئے گا جہاں میں
دیتا ہے گواہی یہی عالم کا جریدہ

مضمر تیری تقلید میں ،ہے عالم کی بھلائی
میرا یہی ایماں ہے یہی میرا عقیدہ

خیرات مجھے اپنی محبت کی عطا کر
آیا ہوں تیرے در پہ بادامان دریدہ

یوں دور ہوں تائب میں حریم نبوی سے
صحرا میں ہو جس طرح کوئی شاخ بریدہ

نظم

(علامہ محمد اقبالؒ)

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرہ ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب

شوکت سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقر جنید و با یزید تیرا جمال بے نقاب

تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل غیاب جستجو ، عشق حضور و اضطراب

شوق اگر تیرا نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

تصوف

(خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

تصوف اسلام ہی کے لیے مخصوص نہیں بلکہ ہر مذہب میں موجود ہے۔ وجہ یہ ہے کہ تقریباً تمام مذاہب کسی نہ کسی ایسی مافوق الفطرت ہستی کو مانتے ہیں جو نہ تو حواس ظاہری سے معلوم ہوسکتی ہے نہ عقل ہی سے سمجھ آسکتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی انسان طبعاً متجسس واقع ہوا ہے وہ بجا طور پر جاننا چاہتا ہے کہ میں جس کی پرستش کرتا ہوں' جس نے مجھے پیدا کیا ہے' جو مجھے رزق دیتا ہے' جس کے ہاتھ میں میرا بھلا اور برا ہے اور جو مجھے موت دے گا اور موت کے بعد بھی میرے ساتھ رہے گا اور اس دنیا میں میں نے جو برے بھلے عمل کیے ہیں ان کی جزا اور سزا دے گا آخر وہ کون ہے؟ کہاں ہے؟ کیسا ہے؟ اس سے ملنے کا راستہ کون سا ہے؟ اس کی خوشنودی اور اس کا قرب' معرفت اور دیدار کیسے حاصل کیا جاسکتا ہے؟ تو اب آپ غور کریں کہ کیا اس شخص کی یہ خواہش ناجائز اور اس خواہش کی تکمیل ناممکن ہے؟ ہرگز نہیں!!

اللّٰہ

خدا نے انسان کی فطرت میں بہت سی خواہشیں رکھی ہیں اور ساتھ ہی ہر خواہش کی تکمیل کا سامان بھی مہیا کیا ہے مثلاً بھوک پیدا کی ہے تو کھانے کی ہزاروں چیزیں بنائی ہیں۔ پیاس پیدا کی ہے تو سینکڑوں مشروبات بنائے ہیں۔ جنسی خواہشات کی تسکین کے لیے کروڑوں مرد اور عورتیں پیدا کیں۔ سیر و سیاحت کی خواہش ہو تو خدا کی زمین فراخ ہے' ساری عمر سیاحت کرتے رہو۔ علم حاصل کرنے کی خواہش ہو تو سینکڑوں علم پیدا کیے ہیں جس علم کو چاہو اس کے حصول میں عمر گزار دو دولت کی خواہش ہو تو وہ طور طریقے سیکھو جن میں دولت کے حصول کی صلاحیت ہے ان پر عمل کرو اور دولت مند بن جاؤ۔

جب یہ ایک کلیہ اور مسلمہ ہے کہ خدا نے ہر خواہش کی تکمیل کا پورا بندوبست کیا ہوا ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اندریں صورت کیا خدا کی معرفت اور قرب و دیدار کی خواہش ہی ایک

ایسی خواہش ہے، جس کی تکمیل کا خدا نے کوئی بندوبست نہیں کیا؟ ناممکن ہے کہ نہ کیا ہو۔ ایسا تو خیال کرنا بھی خدا کے عدل وانصاف اور اس کی شان ربوبیت کا انکار کرنا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ بات صحیح ہے (اور یقیناً صحیح ہے) تو پھر خدا نے اپنے ملنے کے کون سے طریقے اور قاعدے بتائے ہیں کہ طالب دیدار خدا ان طریقوں اور قاعدوں پر عمل کر کے فائز المرام ہو سکے تو حاضرین کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہر مذہب جو کسی ان دیکھی طاقت کی پرستش کرتا ہے اس میں اپنے معبود کی معرفت حاصل کرنے یا اس سے ملنے کے الگ الگ طریقے ہیں مثلاً چینی پیغمبر کنفیوشس نے جو طریقے بتائے ہیں وہ ان طریقوں سے مختلف نہیں جو ہندوؤں کے رشیوں منیوں نے بتائے ہیں یا عیسائیوں اور یہودیوں وغیرہ کو ان کے پیغمبروں نے سکھائے ہیں۔ یہی طریقے اور قاعدے بہ حیثیت مجموعی ان مذاہب کا تصوف کہلاتے ہیں۔ مسلمانوں کو بھی خدا نے اس نعمت عظمیٰ سے محروم نہیں رکھا۔ قرآن میں اپنے ملنے کے طریقے بیان کر دیے ہیں۔ یہ طریقے تعداد میں اس قدر کم مگر اتنے سریع التاثیر ہیں کہ عقل حیران ہوتی ہے۔ جو لوگ سالہا سال دلائل الخیرات، دعائے گنج العرش، دعائے ماثورہ، دعائے جمیلہ، حزم البحر، قصیدہ بردہ اور قصیدہ غوثیہ وغیرہ کا ورد، طرح طرح کے مراقبے، چلے اور سخت سے سخت ریاضتیں کرنے کے بعد بھی حصول مقصد میں نامراد رہتے ہیں، ان قرآنی طریقوں پر صرف دو تین سال عمل کرنے کے بعد وہ کچھ حاصل کر لیتے ہیں جو کبھی ان کے خواب وخیال میں بھی نہ گزرا تھا اور ان کو یقین کامل ہو جاتا ہے کہ ہم سیدھے راستے پر چل رہے ہیں اور ضرور اپنی مراد کو پہنچیں گے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان طریقوں کو ''تصوف'' نہیں کہا بلکہ ''حکمت'' فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولاً مِنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

''یعنی ہم نے تم ہی لوگوں میں سے تمہارے پاس ایک رسول بھیجا ہے جو تم کو ہماری آیات (قرآنی) پڑھ کر سناتا ہے، تمہارے اخلاق کا تزکیہ کرتا ہے اور تم کو کتاب (قرآن) اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔''

اب سوال یہ ہے کہ قرآن میں معیشت، معاشرت، سیاست، اخلاق اور قانون کی جو تعلیم دی گئی وہ تو احادیث، فقہ اور اسلامی قانون کی شکل میں اب بھی موجود ہے گو اس پر اکثر اسلامی ملکوں میں عمل نہ ہوتا ہو۔ مگر وہ حکمت کہاں ہے جس کا ذکر قرآن میں ہے۔ کیا علمائے کرام کے پاس ہے یا صوفیائے عظام کے۔ افسوس ہے کہ وہ گم ہو چکی۔ مسلمانوں میں سے کسی کے پاس بھی نہیں ہے۔

حکمت کا لفظ عام طور پر فلسفہ کی جگہ استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی واسطے سقراط اور بقراط اور افلاطون وغیرہ کو حکیم کہتے ہیں۔ لیکن قرآن میں حکمت سے مراد فلسفہ نہیں بلکہ علم الحقائق اشیاء ہے کیوں کہ یہ بات مشاہدے سے ثابت ہو چکی ہے کہ فلاسفروں کے دو گروہ ہیں ایک وہ جو فلسفہ پڑھنے کے بعد خدا سے منکر ہو جاتے ہیں اور دوسرے وہ جو ایک واجب الوجود (خدا) کو مان لیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن میں ایسی تعلیم دے ہی نہیں سکتا جس کو حاصل کر کے کچھ لوگ خدا کے منکر بھی ہو جائیں۔ اس لیے قرآن میں جو ''حکمت'' کا لفظ آیا ہے یقیناً فلسفہ کے لیے نہیں ہے۔ بلکہ اس سے وہ علم مراد ہے جس سے انسان پر اشیاء کی وہ حقیقتیں ظاہر ہوتی ہیں جو نہ تو حواس ظاہری سے معلوم ہو سکتی ہیں نہ عقل ہی سے سمجھ میں آتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ علم دنیا کے تمام علوم میں سب سے افضل ہے۔ اسی وجہ سے یہ اتنا عام اور آسان بھی نہیں ہے کہ جو چاہے حاصل کر لے بلکہ اس کو صرف وہی لوگ حاصل کر سکتے ہیں جن میں اللہ نے اس کے حصول کی صلاحیت رکھی ہو اور یہ معمولی آدمی نہیں ہوتے بلکہ خاص لوگ ہوتے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّآ أُولُوا الْأَلْبَابِ (البقرة: ٢٦٩)

ترجمہ: '' اللہ تعالیٰ حکمت عطا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور جس کو حکمت عطا کی گئی اس کو خیر کثیر عطا کی گئی لیکن حکمت کی باتیں ان کے سوائے اور کوئی نہیں سمجھ سکتا جو دانشمند ہیں۔''

روح کا مادّی وجود تک کا سفر

(قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

اب ہم بیسویں صدی کے عظیم صوفی محقق اور سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے بانی خواجہ عبدالحکیم انصاری رحمتہ اللہ علیہ کی شہرہ آفاق تصنیف ''تعمیر ملت'' کی مدد سے انسانی روح کے اس سفر کا حال مختصراً بیان کرتے ہیں جو وہ روح بسیط سے لے کر مادی وجود میں ظہور پذیر ہونے تک طے کرتی ہے۔

بنیادی طور پر کائنات دو عوالم پر مشتمل ہے ایک عالم امر اور دوسرا عالم خلق۔ عالم خلق کو سمجھنے اور سہولت کی خاطر دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ایک عالم مثال اور دوسرا عالم مادی۔ عالم مادی میں زمین، چاند، سورج، ستارے اور تمام کہکشائیں شامل ہیں۔ عالم مثال اور عالم امر اس تمام کائنات کی فضا اور خلا میں پھیلا ہوا ہے اور وہ ہماری زمین، دوسرے کرّوں اور کہکشاؤں میں بھی موجود ہے۔ لیکن ہمیں محسوس نہیں ہوتا اور نہ ہی عالم مثال میں رہنے والی مخلوق کو یہ کُرّے محسوس ہوتے ہیں۔ یہ کائنات کروی شکل کی ہے جس کا مرکز عرش اور اس کا مرکز عین ذات یا ذاتِ بحت کا جائے قرار ہے۔ عرش کے نزدیک ترین اور چاروں طرف لاتعداد اور نہایت لطیف طبقات جنہیں بسائط کہتے ہیں، واقع ہیں۔ ان میں سے خاص و خاص روح بسیط عقل بسیط، نفس بسیط اور آخر میں عدم بسیط ہے جہاں عالم امر ختم ہو جاتا ہے۔ عالم امر کے بعد اس سے ذرا کثیف عالم مثال ہے۔ جس میں جنتوں اور دوزخوں کے عوالم ہیں اور آخر میں ہمارا یہ مادّی عالم ہے۔ روح کا سفر نہایت ہی لطیف طبقہ روح بسیط سے شروع ہو کر کثیف ترین مادّی وجود کی منزل پر ختم ہوتا ہے قرآن کی سورۃ التین میں ارشاد ہوا ہے:

﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِيْ أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِيْنَ ﴾

ترجمہ: ''ہم نے انسان کو پیدا کیا احسن انداز میں پھر ڈال دیا اسے پست سے پست حالت میں۔''

جب حق تعالیٰ کسی روح کو پیدا کرنا چاہتے ہیں تو روح بسیط سے اس کا روحانی ایٹم لمبا ہو کر نیچے والے طبقات کی طرف نزول کرنے لگتا ہے لیکن اس ظل کا ایک سرا روح بسیط میں اپنی جگہ قائم رہتا ہے۔ جب یہ شعاع عقل بسیط میں داخل ہوتی ہے تو بقدر استعداد عقل کو جذب کرتی ہوئی نفس بسیط میں داخل ہوتی ہے اور نفس سے جو حصہ مقدر ہوتا ہے، لے لیتی ہے مطلب یہ ہے کہ یہاں اس میں نفس پیدا ہو جاتا ہے۔ نفس خواہشات مجردہ ہے۔ یا یوں کہہ لیں کہ روح میں خواہشات کرنے کی اہلیت پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح روح مزید نزول کرتی ہوئی عالم امر سے نکل کر عالم مثال کی جنتوں اور دوزخوں کے عوالم سے گزرتی ہوئی مادے کی سب سے لطیف اور آخری حد ایتھر میں داخل ہوتی ہے۔ یہاں وہ حواس خمسہ اور دیگر مادی خواص وقویٰ کو بقدر استعداد اخذ کرتی ہوئی نظام شمسی کے آفتاب میں جاتی ہے اور اس سے جان یا روح حیوانی کی حرارت حاصل کر کے زمین یا اس کرّے میں پہنچ جاتی ہے، جہاں اس کو پیدا ہونا ہوتا ہے۔ وہاں کی مٹی سے جماداتی خواص واثرات جذب کرتی ہوئی نباتات کے پردے میں زمین سے نکلتی اور کسی کھانے کی چیز مثلاً غلہ یا پھل وغیرہ میں داخل کی جاتی ہے پھر وہ چیز اللہ کے قضاء قدر کے نظام کے تحت اس شخص کو کھلائی جاتی ہے جو اس کا باپ بننے والا ہوتا ہے۔

جس طرح مٹی کے خلاصہ اور جوہر سے غلہ، پھل اور سبزیاں وغیرہ پیدا ہوتی ہیں اس طرح انسانی جسم میں پہنچ کر غذا کے خلاصہ سے نطفہ بنتا ہے۔ روح بسیط سے چلنے والی شعاع یعنی روح انسانی درجہ بدرجہ لطیف سے کثیف تر ہوتی ہوتی نطفہ کی حالت تک آ پہنچتی ہے۔ نطفہ کیا ہے؟

وہ ننھا سا جرثومہ صلبِ پدر سے رحم مادر میں منتقل ہو جاتا ہے جہاں رحم مادر سے اپنی غذا حاصل کر کے درجہ بدرجہ کثیف ہوتا جاتا ہے اس مادی تعمیر میں کم وبیش نو ماہ کا عرصہ لگتا ہے۔اس دوران جب روح کی ضرورت کے مطابق مادی جسم تمام اندرونی اور بیرونی اعضا سمیت مکمل ہو جاتا ہے تو اللہ کے حکم کے تحت انسان شکم مادر سے باہر آجاتا ہے۔جنات کی تخلیق کے بارے میں عام طور پر یہی الفاظ آتے ہیں کہ انہیں آگ سے پیدا کیا گیا۔لیکن سورۃ رحمٰن میں بڑی باریکی سے بیان کیا گیا کہ آگ کے انگاروں سے نہیں پیدا کیا بلکہ فرمایا وَخَلَقَ الْجَانَّ مِن مَّارِجٍ مِّنْ نَارٍ اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔اسی طرح انسان کی پیدائش مٹی سے بیان کی جاتی ہے لیکن قرآن نے جب اس کی تشریح کی تو اسے مٹی کا خلاصہ یا جوہر قرار دیا۔چنانچہ سورہ مومنون میں ہے:

''ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے(سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ) سے پیدا کیا پھر اس کو ایک مضبوط جگہ میں نطفہ بنا کر رکھا۔پھر نطفے کا لوتھڑا بنایا پھر لوتھڑے کی بوٹی بنائی پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا پھر اس کو نئی صورت میں بنایا۔اللہ بڑا بابرکت اور سب سے بہتر بنانے والا ہے۔''

مٹی میں عناصر ہوتے ہیں ان میں نمکیات اور معدنیات کی ایک قلیل مگر مناسب مقدار انسانی جسم میں بھی پائی جاتی ہے کیوں کہ روح زمین کی مٹی کے خلاصہ کو جذب کرتی ہوئی آتی ہے۔ سورۃ نوح کی آیت ۱۸۔۱۷ میں واضح کر دیا گیا ہے:

وَاللّٰهُ أَنْبَتَكُم مِّنَ الْأَرْضِ نَبَاتاً (17) ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجاً (18)

''اور اللہ نے اگایا تم کو زمین سے جما کر پھر مکرر ڈالے گا تم کو اس میں اور نکالے گا تم کو باہر''۔

قرآن اور بھی کئی مقامات پر یہ حقیقت بیان کرتا ہے کہ اللہ سب انسانوں کو مٹی سے پیدا کرتا ہے۔بعض علماء بغیر کسی تحقیق کے اس طرف جاتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کو تو مٹی سے پیدا کیا اور باقی انسانوں کو نطفہ سے۔جب کہ قرآن بار بار مادی تخلیق کی ابتداء مٹی سے بنا کر

اگلے مرحلہ میں نطفہ کا ذکر کرتا ہے۔

اَکَفَرْتَ بِالَّذِیْ خَلَقَکَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰکَ رَجُلًا (سورۃ کہف: ۳۸)

''کیا تو منکر ہو گیا اس ذات سے جس نے پیدا کیا تجھ کو مٹی سے پھر نطفہ سے پھر پورا کیا تجھ کو مرد۔''

سورۃ النجم آیت نمبر ۳۲ میں سارے انسانوں کی پیدائش کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

﴿هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى﴾ (سورۃ النجم: ۳۲)

''وہ تم کو خوب جانتا ہے جب اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے''۔

اسی طرح سورۃ الحج کی آیت نمبر ۵ اور سورۃ الفاطر کی آیت نمبر ۱۱ میں بھی مٹی اور نطفہ دونوں کا ذکر آتا ہے۔

اتنی واضح آیات کی موجودگی میں تخلیق کی ابتداء نطفہ ہی سے کیوں تصور کی جائے جب مزید تفصیل جاننے کی کوشش کی جائے گی کہ آخر نطفہ کس طرح بنتا ہے تو قرآن کی تشریح صحیح جواب معلوم کرنے میں رہنمائی کرتی ہے کہ نطفہ غذا کے خلاصہ سے بنتا اور غذا مٹی کے خلاصہ سے بنتی ہے اس طرح قرآن میں بیان کی گئی ساری کڑیاں ٹھیک طور پر آپس میں مل جاتی ہیں۔

نقوشِ مہروفا

(فرمودات قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

(مرتب: سید رحمت اللہ شاہ)

باباجانؒ نے دریافت کیا کہ (حالیہ) بجٹ میں کوئی اچھی بات سنی ہے؟ بھائی نے جواب دیا! نہیں باباجی! اچھی کیا ہوتی ہے؟ باباجانؒ نے فرمایا کہ وہاں اسمبلی میں تو بڑی لڑائی جھگڑا دکھا رہے تھے۔ بھائی نے کہا: ہر بجٹ کا یہی حال ہوتا ہے۔ بس بیس فیصد تنخواہیں بڑھا دیں، سرکاری ملازمین کی موجیں ہیں۔ بڑا اچھا ہوگیا ہے کہ پینشن بیس فیصد بڑھ گئی ہے۔ میں نے کہا کہ سب سرکاری ملازم تھوڑی ہیں! کچھ ریلیف ہمیں بھی ہو۔

باباجانؒ نے فرمایا: آپ نے دودھ مہنگا کردیا ہے! کوئی بات نہیں، ہمیں کونسا فرق پڑ گیا۔ امی تیری کہتی ہیں کہ دودھ پہلے دو کلو ہے، اب کم کردیتی ہوں۔ میں نے کہا کہ ناں! تین کلو کرو۔ تمہیں پیسے ہم نے دینے ہیں، ہم پیسے دیں گے، گرمی ہے، اب ہی تو دودھ، دہی کی ضرورت ہے۔ دودھ کی لسی کی اب زیادہ ضرورت ہے، گھٹانے کی کیا بات ہے۔ جو ایک پاؤ دودھ پیتا ہے وہ بھی بیچارہ گھٹا دے۔ میں نے کہا کہ پیسے ہم تمہیں دیں گے، پہلے (Pension) دس Percent بڑھتی تھی، اب یہ ان کا آخری بجٹ ہے، جاتے جاتے کوئی نہ کوئی نیکی کما کے جارہے ہیں۔ انہوں نے شاید گیارہ پرسینٹ Recommend کی تھی۔ ان (محکمہ والوں) سے کہا ہوگا ناں کہ تم گیارہ کرو، ہم کہیں گے کہ لو یہ کیا بات ہے۔ ہمارے پیارے پیارے فوجی، پیارے پیارے سپاہی ہیں، ہم ۲۰ فیصد بڑھائیں گے۔

بھائی نے کہا کہ سب کی بڑھ گئی ہے، ان سب کو مٹھائی پڑ گئی ہے۔ باباجانؒ کہنے لگے کہ مٹھائیاں تم کھاؤ، بس Bill دینے کے لئے تیار رہو۔ مٹھائی ہم کھلا دیں گے، ہمیں کوئی

مہنگی نہیں، باقی تم تیار رہو ذرا ! دل ذرا مضبوط رکھو! جو یہ بجلی کا ریٹ شاید ایک روپیہ اور بڑھا دیا ہے ۔پیٹرول اور تیل بھی سستا کر رہے ہیں ۔ وہ جو پچھلے دس دس روپے بڑھائے ہیں، ان میں سے ایک روپیہ سستا کر دیں گے!!!

باباجانؒ نے کہا کہ بیس فیصد بڑا اضافہ ہے۔ وہ لوگوں سے تبصرے کرا رہے تھے، جو کہہ رہے تھے کہ ہمیں یہ بیس فیصد بڑھنے کا کیا فائدہ ہے۔ فلاں چیز بڑھ گئی ہے، فلاں چیز بڑھ گئی ہے۔

اب یہ ہے کہ جس کی تنخواہ زیادہ ہے، جس کی پچاس ہزار ہے یا چالیس ہزار روپیہ مہینے کی تنخواہ ہے ۔اس کو بیس فیصد بڑھاؤ گے تو اس کا آٹھ ہزار روپیہ بڑھ گیا۔ اس کا کیا ہے جیسا مرضی تم ریٹ بڑھاتے رہو۔ ایک فیملی کے خرچے میں آٹھ ہزار روپیہ نہیں بڑھا۔ جو بڑھا ہے خرچہ وہ سپاہی کا بھی اتنا ہی بڑھا ہے ۔اس کو ڈبل کر لو زیادہ سے زیادہ لیکن Percentage کے حساب سے وہ بیچارے جو Low pay والے ہیں، ان کو کیا بچتا ہے؟

مہنگائی کا جب Increment دینا ہے تو آپ اس کی دو Catagories کر لیں آپ دیکھ لیں کہ کس کو کتنا پیسہ دینا ہے۔ اس کو آپ Manage کریں کہ وہ کلاس جس کی Already لاکھ لاکھ روپے تنخواہ ہے، ان سے کہہ دیں کہ کوئی نہیں بڑھانی تمہاری تنخواہ۔ نوکری چھوڑ دو اگر نہیں چاہیے۔ جن کی لاکھ لاکھ اور دو دو لاکھ روپے تنخواہ ہے، انہیں مہنگائی کیا کہتی ہے؟ باقی جو ہیں ان کو ایسے دیں، بجائے اس کے کہ کسی کی دو سو روپے بڑھی ہے، چار سو روپے بڑھی ہے۔ پانچ سو روپے بڑھی ہے، ان کی ہزار، دو ہزار بڑھاؤ۔ وہ چھلانگیں لگائے گا۔ اگر کرنا ہی ہے تو دو Catagories کر لو۔ مثلاً Rank میں صوبیدار ہیں آپ کے، Rank کرنل تک ہیں۔ ان کی ڈبل کر دو، جہاں تک مرضی کہ اس Rank تک ڈبل ملے گا۔ ان کو ہزار ملے گا، ان کو دو ہزار ملے گا، کوئی بات نہیں ۔ اب یہ کہ ان کو آٹھ ہزار ملے گا اور جس کی بے چارے کی تنخواہ جو ہے دس ہزار ہے یا آٹھ ہزار ہے، جو مزدور ہے اس کو آپ نے کیا دیا ہے؟

حاضرین میں ایک بھائی جو لوئر سکیل میں گورنمنٹ ملازم تھے،ان سے ایک بھائی نے پوچھا کہ آپ کی کتنی تنخواہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ سات ہزار روپے۔ان سے کہا کہ آپ کی تین ساڑھے تین ہزار بڑھ جائے گی۔بیس فیصد کا مطلب ہے پانچواں حصہ۔بھائی نے مزاح کے موڈ میں کہا کہ ان کے دفتر جاؤ تو یہ کہتے ہیں کہ نقدی دے دو۔ہمیں کہتے ہیں کہ چائے پلاؤ۔اگر ان سے کہیں کہ دکان دور ہے تو کہتے ہیں کہ نقدی دے دو۔بابا جانؒ نے کہا کہ نہیں۔وہ تو دفتر ہے۔دفتر ی زبان ہے۔کیوں جی؟

بابا جانؒ نے لطیفہ سُنایا: ایک کھتری ڈوبتا جا رہا تھا۔اس کو کہا کہ ہاتھ دے! ہاتھ دے! میں تجھے باہر نکالوں۔کسی نے سُنا تو کہا کہ اس کو یہ نہ کہو کہ ہاتھ دے۔اس سے کہو کہ ہاتھ لے!! اس سے ہاتھ دینے والی بات نہیں کرنی۔اس نے ہاتھ باہر نہیں کرنا۔اس سے کہو کہ ہاتھ لے۔پکڑ لے۔فرمایا: یہ تو دفتری زبان ہے کہ جو آئے،دے کے جائے۔

باباجانؒ نے کہا کہ یہ تنخواہ دار طبقہ جو ہے اس کا پھر بھی Compensate ہو جاتا ہے ,لیکن یہ طریقے سے کرنی چاہئے۔وہ (امیر لوگ زیادہ تنخواہ والے) تو کہتے ہیں کہ اللہ کرے ایسا ہی رہے۔جس کی تنخواہ چالیس ہزار روپیہ ہے،اس کا آٹھ ہزار بڑھ گیا۔جس کی ساٹھ ہزار روپیہ ہے اس کو بارہ ہزار روپیہ ملتا ہے،بڑھ گیا ہے۔یہاں دال مہنگی ہوئی ہے۔وہ دال کھاتے ہی نہیں ہیں،ویسے بھی ایسی فیملی کو کیا فرق پڑتا ہے۔فیملی کا خرچہ جو ہے اس کے مطابق اضافی کرو۔چلو اس کا معیار کچھ ہو گا تھوڑا سا کر دو تو Lower class جو ہے اس سے Gap کم ہو جائے۔Gap وہ کم ہو جائے گا آہستہ آہستہ۔مطلب یہ ہے کہ حکومت کو بجٹ میں Amount دینی چاہئے کہ Per family یہ دے دو۔Catagories کر لو۔زیادہ سے زیادہ چلو تین کر لو جس کی بہت زیادہ ہے اس کو کہو کہ کوئی نہیں بڑھنی، جو بھی اس تنخواہ پر پہنچے گا اس کی کوئی Incriment نہیں ہو گی۔جو Low ہیں ان کی دو تین Catagories کر کے ان کو دو۔جو Lower ہیں وہ اتنے اونچے اور اس Gap میں Close up ہو جائیں۔اس طرح تو

ساری عمر ہی یہی رہے گا، یہی بڑی خرابی ہے جو Percentage پر کرتے ہیں کہ اتنی Percentage بڑھتی ہے۔

What is percentage? What is problem? ایک نارمل فیملی جن کی زیادہ تنخواہ ہوتی ہے، ان کی Families بھی چھوٹی ہوتی ہیں۔ ہمارے تو بارہ بارہ اور چودہ چودہ بچے ہیں۔ لوئر کلاس میں زیادہ زیادہ بچے ہوتے ہیں۔ ان کی Families بھی زیادہ ہیں ان کا تھوڑا تھوڑا Increase ہوتا ہے۔ فیملی کا حساب لگاؤ ناں کہ ہر فیملی کو کتنا زیادہ Pay کرنا پڑے گا۔ جتنا پیسہ آپ (حکومت) نے خرچ کرنا ہے، اس سے زیادہ خرچ نہ کریں۔ یہ حساب لگائیں کہ اس میں سے ہم نے اتنا کروڑ یا اتنا ارب ہم نے Increase میں دینا ہے، اسی میں Adjust کرو۔ Easy solution ہے۔

کہتے ہیں کہ جو مشکل کام ہو وہ کسی ناکارہ بندے کو دے دو۔ اس سے کہو کہ اس کا حل کر۔ وہ اس کا کوئی نہ کوئی Short cut ڈھونڈے گا۔ وہ کوشش کرے گا کہ کوئی ایسا کام ہو جائے جس سے یہ جلدی ہو جائے۔ وہ کوئی نہ کوئی Short cut ڈھونڈ ہی لے گا۔ اس (بجٹ) میں بھی ایسا ہی چاہیے جو اس کو Short cut کرے۔ Complicated matter کو Simplify کر دے۔ یہ کام جو ہو رہے ہیں، They are converting simple matter to a complicated matter. ان کا طریقہ یہ ہے اور وہ ناکارہ بندہ Simple simple کر دیتا ہے۔

اتنا ہی پیسہ جو انہوں نے نکالنا ہے، اتنا ہی نکالیں۔ اس کی Equatably distribution ہو۔ Lower rank والے جو ہیں ان کو ملنے والے نو ہزار، یا سترہ ہزار روپے میں پانچ پانچ ہزار روپے سب کی بڑھا دو، ٹھیک ہے۔ اس سے اوپر کی کوئی آٹھ ہزار کرو، اس سے اوپر کی کوئی دس ہزار کر دو، لیکن پیسے اتنے ہی رہیں۔ نیچے والے جو ہیں یہ زیادہ خوشحال ہو جائیں گے۔ ان سے Close ہو جائیں گے۔ ساتھ ہی یہ گریڈ کا معاملہ ہے۔ China میں

گریڈ کی صرف تین Catagories رکھی گئی ہیں۔ ہر کیڈر میں تین گریڈ ہوتے ہیں۔ ہمارے پچیس پچیس اور چھبیس چھبیس گریڈ ہیں۔ گریڈ کو نہیں ہم بندوں کو ناپتے ہیں کہ کس گریڈ میں کتنے بندے ہیں۔ As a cader انہوں نے تین رکھے ہیں۔ Highly-skilled, Semi-skilled and Non-skilled ان میں Non-skilled وہ ہیں جو مزدوری کرتے ہیں۔ یہ وہ کلاس ہے۔ Semi-skilled میں Technicians ہیں۔ ڈاکٹروں کے ساتھ جو کمپاؤڈر جو ہیں وہ اس میں شامل ہیں۔ باقی سب جو ہیں وہ Highly-skilled ہیں جن میں ڈاکٹر، انجینئر، اور So called سارے جو Specialists جو ہیں وہ اس میں شامل ہیں۔ ان میں کیڈر بس یہ تین ہی ہیں۔ ان میں تنخواہ کا Ratio جو ہے وہ ایک اور دس (۱:۱۰) کا تھا۔ ماؤ کی کتاب میں ہم نے پڑھا ہے کہ سارے چائنہ میں ملازمین کی تنخواہ میں یہی ایک اور دس کی Ratio چلتی ہے۔ جو President ہے وہ سب سے اعلیٰ ہے، اس کی دس ہے تو Labour یا مزدور کی ایک ہے۔ یہ بڑھے گی تو وہ بڑھے گی۔ اس کو اگر دس ہزار ملتی ہے تو اس کو لاکھ ملے گی، یہ بڑھے گی تو اس کی بڑھے گی۔ بڑا اچھا تھا۔ وہ صحیح اور Simplified تھا۔ وہاں تنخواہ میں ۱:۱۰ کی Ratio تھی، یہاں تنخواہیں سن سن کر بندہ حیران و پریشان ہو جاتا ہے۔

بھائی نے اکبر بادشاہ کے دور کی بات چلائی تو بابا جانؒ فرمانے لگے کہ ان کا سارا فن تعمیر دیکھیں، سب کچھ انہوں نے ماربل سے بنایا ہے۔ وہ لوگ جسے کہتے ہیں Talent hunt وہ Talent hunt کرتے تھے۔ کون بندہ ماہر ہے، اس کو وہ لے آئے۔ گانے والا کون ہے سب سے اچھا۔ تان سین۔ اس کو وہ لے آئے۔ وہ ایسے دیپ رکھ کے گاتے تھے کہ لو جل اُٹھتی تھی۔ وہ ہر کھا کہ جس سے بارش برس پڑتی تھی۔ ان باتوں والوں میں اب بھی یہ گلاس ولاس توڑنے والے تو کئی ہیں۔

بھائی نے کہا کہ شاہی مسجد میں بھی Ventilation کا ایسا سسٹم ہے کہ وہاں پنکھا کوئی نہیں ہے مگر ہوا ایسے لگتی ہے جیسے AC چلا ہوا ہو۔ بابا جانؒ فرمانے لگے کہ سندھ میں بھی

ایک ایسی مسجد ہے جس میں کوئی لاؤڈ سپیکر نہیں ہے مگر آواز ساری مسجد میں آخر تک جاتی ہے۔ ایسے ہی پانی گرم کرنے کا نظام ہے کہ ساری مسجد کا پانی گرم آتا ہے۔اسی طرح سے ایک دیا جلا ہو تو ساری مسجد میں روشنی رہتی ہے۔کیا سسٹم بنا دیے ہیں۔یہ بھی ایسی جادوئی چیزیں اکٹھی کر رکھی تھیں۔ایسے ایسے لوگ اکٹھے کیے ہوئے تھے جو اس ملک کے ہیرے تھے۔وہاں جو چھوٹے نواب تھے وہ بھی اپنے اپنے علاقے سے ایسے لوگ اکٹھے کرتے تھے۔ان کے ہاں بھی ایسا ہی نظام تھا، وہ لوگ بھی ایسے ہنر مند لوگوں کو اپنے دربار میں لے آتے ہیں۔ایسے پہلوان بھی چلتے تھے۔وہ کمال کے لوگ دیکھ رکھتے تھے، ان کا خرچ اُٹھاتے تھے، سب کو پتا ہوتا تھا کہ یہ درباری پہلوان ہے جو اس کو ہرائے گا وہ درباری بن جائے گا۔جو بھی کمال کا بندہ ہوتا وہ اس کو اپنے پاس رکھ لیتے تھے۔ان کو Support کرتے تھے۔اب یہ کن کو سپورٹ کرتے ہیں۔وہ سارے لوگ جو تھے، ان میں ہر طرح کا بڑا ذوق تھا، سارے ان پڑھ تھے مگر ذوق خوب تھا۔ہمارے آفتاب خان صاحب جو ہیں یہ ان کے علاقے کے تھے۔قلعہ لاہور۔قلعہ لاہور میں اب بھی وہ جگہ زیارت گاہ بنی ہوئی ہے، جہاں وہ بیٹھتے تھے۔وہ علاقہ ان خان صاحب کا تھا۔

ان کے ہاں سسٹم تھے۔جادو کی باتیں نہیں تھیں۔سارے سسٹم بنے ہوئے تھے۔ ساری زمینیں حکومت کی تھیں۔ان سے آگے دس ہزاریے مقرر ہوتے تھے، ان سے گورنمنٹ لیتی تھی۔دس ہزاریے اور پانچ ہزاریے، یہ سب گورنمنٹ کی زمین کاشت کرتے تھے۔گورنمنٹ کی زمین جو تھی یہ گوروں نے آ کر تقسیم کی۔شیر شاہ سوری نے یہ جرنیلی سڑک بنوائی تھی۔یہ اس کے زمانے کی بنی ہوئی ہے۔اس پر تھوڑے تھوڑے فاصلے سے سرائے ہوتے تھے۔کنویں بنوائے اور ٹھہرنے کا سامان اور یہ ہر چیز بنائی۔اب یہ اتنا بڑا پروجیکٹ ہے، اتنی لمبی شاہراہ بہت تھوڑے عرصے میں بنوائی۔یہ بھی بڑا زبردست آدمی تھا۔یہ گورنمنٹ سے Privatization جو زمین کی ہے اس کے بارے میں علامہ نے بھی کہا ہے کہ:

کون مٹی کون پہاڑ، اے مٹی مٹی بیچ

تیری نہیں میری نہیں، میری نہیں تیری نہیں

تو تو اللہ ہے،تو نے کیسے زمین قبضے میں دی ہے۔زمین اللہ کی ہے۔یہ ایسے ہی ہونا چاہیے۔یہ اس کو دے دو جو اس کو بوتا ہے،وہ اس میں سے باقی گورنمنٹ کو دے۔جب نہیں بوتا تو اس کے قبضے سے ختم۔ایک سال نہیں بوتا تو تمہارے قبضے سے ختم ہوجائے گی۔باقی زمین بھی جو پڑی ہے وہ ساری ایسے ہی دے دو۔جو بات کر لیتے ہیں تو کہہ دو کہ ٹھیک ہے یہ ایسے ہی کرو۔ بھائی نے کہا کہ غیر منقولہ جگہ کی تو اسلام میں اجازت ہی نہیں، جہاں تم رہتے ہو وہ تمہاری جگہ ہی نہیں ہے، جہاں تم کاشت کرتے ہو وہ تمہاری جگہ ہے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس زمین پر جو پیدا ہوگا وہ اجتماعی طور پر خزانے میں جمع ہوگا، پوری قوم پر خرچ ہوگا۔یہ نہیں کہ جس نے سارا ملک فتح کیا وہ اس کا ہوگیا۔یہی ہے کہ یہ ساری سوچیں آہستہ آہستہ انسان میں Develop ہوئیں،اس کے Welfare کا انسان کو پتا چلا۔ یہ جو زکوٰۃ کا Concept اللہ تعالیٰ نے دیا ہے،یہ بڑا زبردست ہے۔کسی بھی ملک میں ہو وہاں کوئی بھی بھوکا نہیں رہ سکتا۔ایک آدمی کروڑوں پتی ہے،وہ چالیس سال میں ساری دولت قوم کو دے دیتا ہے۔ ڈھائی پرسینٹ ہر سال دیتا ہے، چالیس سال میں یہ ساری Turn over کر کے ملک کے پاس چلی جاتی ہے۔اور کماتا ہے تو اچھا ہے۔اس کو پتا ہے کہ کم ہو رہی ہے،اگر نہیں کماؤں گا تو ختم ہوجائے گی۔اس کو Motivation ہے کمانے کی مگر وہ ہر سال اتنا ہی دیتا ہے۔بزرگ کہتے ہیں کہ جتنا صدقہ اور خیرات پاکستان میں دیا جاتا ہے،اتنا کہیں نہیں دیا جاتا۔ ادھر درباروں پر جاؤ تو لاہور کے سارے محلے روٹی یہاں سے کھاتے ہیں۔غریب بھی، مسکین بھی سب یہاں سے کھاتے ہیں۔محلے والے بھی کافی اس پر انحصار کرتے ہیں۔زکوٰۃ دیکھو، حکومت الگ کاٹتی ہے۔پرائیویٹ جو دولت ہے، جو چھپا ہوا سرمایہ ہے اس پر نہیں۔گورنمنٹ اس پر لیتی ہے جو گائے، بھیڑوں، اور اونٹوں پر نصاب ہے۔ہر ایک کے گھروں میں تلاشی نہیں کی جاتی کہ

کتنا سونا ہے۔لوگ خود دیتے ہیں۔اس کو واقعی خود دینا چاہئے۔

بابا جان سے پوچھا گیا کہ منقولہ جائیداد تو وراثت چڑھ جاتی ہے۔اسلام میں غیر منقولہ جائیداد کا کیا تصور ہے؟ علماء تو اس کو اکٹھا کر دیتے ہیں کہ جو منقولہ کا حکم ہے وہی غیر منقولہ کا ہے۔ بابا جانؒ نے فرمایا کہ اب جو چل رہا ہے اس میں تو کہتے ہیں کہ بیٹیوں کو بھی ایسے حصہ دو جیسے قرآن نے بتایا ہے۔زمین کا بھی ایسے کرو۔یہ تو گورنمنٹ کا کام ہے کہ اس کو Force کرے کہ اگر کسی سے ختم ہوتی ہے تو ختم ہو جائے۔یہی تو ہمارا Ultimate motive ہے کہ ختم ہو جائے۔ یہ جو بہنوں سے لکھوا لیتے ہیں کہ میں نے بھائی کو زمین دی۔وہ کہتے ہیں کہ زمین دینی ہے تو دے ورنہ یہاں داخل نہیں ہونا۔تیرا واسطہ اس گھر سے ختم ہو گیا،تو نے یہاں نہیں آنا۔ان کے علاقے میں زمینیں آتی ہیں،لوگ دیتے ہیں۔بانٹتے ہیں۔لیکن وہ جو ہے بانٹنا تو یہ بانٹا جائے۔یہ جو ہے لکھوا لینا کہ لکھ کے دے تو یہ نہیں ہونا چاہئے۔کوئی لکھ کے نہیں دے سکتی۔یہ قانون بن جائے کہ زمین اس کے نام ہی Transfer ہوگی،اس کے نام سے واپس نہیں آسکتی۔وہ اس کی ملکیت ہوگی۔وہ پیچھے جو مرضی کرے لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ میں نے اپنا حق بھائی کو دے دیا یا بھائیوں کو دے دیا۔میں نے ساری لکھ کے دے دی، یہ اس کو قابل قبول نہیں ہونا چاہئے۔گورنمنٹ وہ قانون بنائے کہ ان کو زبردستی ٹرانسفر کی جائے۔

قبلہ ڈار صاحب کا خط بنام عبدالمجید صاحب مورخہ 20-07-2000

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کا خط موصول ہوا۔ حالت و کیفیات سے آگاہی ہوئی، یہ پڑھ کر دلی مسرت ہوئی کہ بیعت ہونے کے بعد آپ نماز اور ذکر کی پابندی کر رہے ہیں۔ اسلام کی بنیاد عمل پر ہے اور فقیری تو سراپا عمل کا نام ہے بلکہ احسن عمل کا نام ہے۔ روزانہ نفی اثبات کے ذکر میں کبھی ناغہ نہ کرنا اور باقی اوقات میں زیادہ سے زیادہ وقت پاس انفاس یعنی ہر سانس کے ساتھ اللہ اللہ کریں۔ غصہ اور نفرت نفی کر دیں اور ہر انسان بلکہ ساری مخلوق یعنی جانوروں اور پودوں سے بھی پیار کریں الحمدللہ آپ کا دل بہت اچھا ہے اس پر محبت کے جذبہ کا غلبہ ہے اس لیے اللہ کے فضل سے آپ خوب ترقی کریں گے۔ اپنا کام خوب محنت اور دلجمعی کے ساتھ کریں اور ہر حال میں اللہ سے خوش رہنے کی عادت ڈالیں۔ عوام الناس کی طرح اللہ سے تقدیر اور حالات کے شکوے کبھی نہ کریں بلکہ اللہ تعالیٰ نے حسن، صحت، جوانی، بیوی بچے، مکان، کاروبار اور کھانے پینے کی جو ان گنت نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں ان کی طرف دھیان رکھیں۔

اپنے رحیم و کریم آقا کا سچے دل سے شکر ادا کرتے رہیں۔ قرآن کریم میں ذکر کے ساتھ ہی شکر کرنے اور کفر یعنی ناشکری سے منع فرمایا ہے۔

فاذکرونی اذکروکم واشکرو لی ولا تکفرون

آپ خط لکھتے رہا کریں۔ یہ آدھی ملاقات بھی ہوتی ہے اور میرے خط سے تو روحانی فیض بھی پہنچتا ہے مرکز میں ہر ماہ کی پہلی اتوار کو صبح 8 بجے سے 2 بجے دوپہر تک حاضری ہوتی ہے۔ اگر جی بہت اداس ہو تو موقع ملنے پر آجائیں۔ اکتوبر میں انشاءاللہ ایک رات کا پروگرام ذکر اور سماع کا وہاں بنائیں گے اور سب بھائیوں کو دعوت دیں گے۔

مجلّے ہڑتالوں کی وجہ سے وقت پر چھپ نہ سکے اس لیے اکٹھے بھیجے گئے ہیں۔ آپ اپنے احباب کو بھی پڑھنے کو دیں اور اپنے سلسلے کی تعلیم اور تنظیم کے بارے میں زبانی تعارف بھی کراتے

رہیں تا کہ دوسرے بھائیوں کی بھی اصلاح ہو جائے ۔اللہ تعالیٰ آپ کو بھی اجرِ عظیم دے گا۔

آپ کے لیے دعا کر دی ہے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے آپ کی دلی مراد پوری کرے گا۔

خواب میں دکھانا بھی اللہ کی مرضی پر ہے جب چاہے دکھادے گا اور نبی کریم ﷺ کا دیدار بھی ہوگا۔

الحمدللہ آپ کو بہت جلد توجہ محسوس ہونے لگی ہے ۔اس سے روحانی ترقی میں مدد ملے گی

میری طرف سے آپ کے احباب کو سلام۔

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدیؒ کا خط بنام: اصغر علی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ نے جو کتابیں مطالعہ فرمائیں وہ ہمارے ہادی ومرشد اور سلسلہ توحیدیہ کے بانی حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری رحمۃ اللہ علیہ کی ہیں اگر آپ کو ان کی تعلیم پسند آئی تو یہ بات آپ کی سعادت کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بات سن کر رُوح میں اس کی چھپی ہوئی محبت بیدار ہوگئی ہے اور اس راہ میں کامیابی کے لئے طلب صادق اور خلوص بھی درکار ہے آپ ہماری ذکر کی محفلوں میں شمولیت فرمایا کریں فتح پور میں حاجی مبارک علی صاحب سے بھی ضرور ملیں۔

ملتان میں محلّہ کھیڑا آباد میں محفل ذکر ہوتی ہے جمعہ کے روز نماز مغرب کے بعد سے آپ کو ایڈریس لکھ بھیجیں گے۔اگر آپ نے ہماری کتابیں پڑھ لی ہیں تو یہ حقیقت معلوم ہوگئی ہوگی کہ انسان کو ذکر اور تزکیہ کے ذریعے اور مرشد کے فیض کے ذریعے اس قابل بنانا ہوتا ہے کہ اس کا قلب آئینہ بن جائے تا کہ تجلیات الٰہی کا مشاہدہ ہو سکے۔

یہ راستہ کافی کٹھن ہے اور طویل راہ ہے یہ شب برأت کا حلوہ نہیں ہے کہ بازار سے سامان اکٹھا کر کے تیار کر لیا اور کھالیا۔

اگر آپ سب کچھ برداشت کرنے کیلئے تیار ہیں تو اللہ دستگیری فرمائے گا اور سلسلہ توحیدیہ کے بھائی آپ کے مونس غمخوار اور ہمراہی ہوں گے۔

آپ رابطہ رکھیں اللہ کے سچے طالبوں کیلئے میری جان بھی حاضر ہے۔ والسلام!

سیرت النبی ﷺ کا داعیانہ پہلو

(احمد رضا خان)

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا

ترجمہ: تحقیق تمہارے لیے رسول پاک ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔ ہر اس شخص کے لیے جو رجوع کرتا ہے اللہ کی طرف اور آخرت کے دن کیطرف، (دوسرے لفظوں میں جو اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتا ہے) اور اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرتا ہے۔

سیرت کی تقاریر اور تحریروں میں اس آیت کے صرف پہلے حصے کا کسی نہ کسی انداز میں ذکر ہوتا ہے۔ عام طور پر پہلا حصہ سنایا جاتا ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ کی زندگی میں ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے، اگلا جو تھوڑا سا portion ہے وہ نظروں سے اوجھل رہتا ہے۔ اللہ تعالی اور آخرت کے دن پر ایمان اور اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ۔ یہ ہمارے لیے آسانی پیدا کرے گا، یہ ہمیں بتائے گا کہ آپ ﷺ کی زندگی نمونہ کس طرح ہے۔ اس اسوہ سے فائدہ اٹھانے کی شرط اس آیت کا دوسرا حصہ ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا اسوہ کامل ہی نہیں بلکہ اکمل ہے یعنی کامل ترین اسوہ ہے جو ہر ایک کے لیے ہے۔

نبی کریم ﷺ کی حیات مقدسہ سراسر عمل ہے۔ گفتار کی بجائے کردار۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالی کے حکم سے چالیس سال کی عمر میں اعلان نبوت فرمایا۔ پہلی وحی آپ ﷺ پر غار حرا میں اتری۔ اس کے بعد دوسری وحی آپ ﷺ پر نازل ہوئی وہ تھی يَا اَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ (1) قُمْ فَاَنْذِرْ (2) وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ "چادر اوڑھ کر بیٹھنے والے! اٹھیے اور اللہ کی بڑائی بیان کیجیے۔ اللہ کے نبی ﷺ کی پوری زندگی سے جو ایک نقطہ ہمیں ملتا ہے، جو آپ ﷺ کی سب سے بڑی سنت ہے وہ دعوت الی اللہ ہے۔ اللہ تعالی کا پیغام ہے جو آپ ﷺ نے ہر لحظہ لوگوں تک پہنچایا۔

اس کی اہمیت دیکھیے کہ ابھی دوسری وحی ہے اور آپ ﷺ کو ارشاد ہو رہا ہے کہ اللہ کا پیغام عام کر دیجیے۔ اگر چہ تین سال آپ ﷺ نے دعوت خفیہ رکھی، اپنے قریبی احباب اور دوستوں تک دعوت محدود رہی، یہ بھی اللہ کے اذن سے ہے۔ اللہ کی بڑائی بیان کرنے کا حکم ہے۔ پہلی ڈیوٹی ہی یہ لگی ہے کہ اللہ کی دعوت کو لوگوں تک پہنچانا ہے۔ عملاً دعوت شروع ہو گئی۔ سب سے پہلے زوجہ محترمہ سے دعوت کا آغاز فرمایا۔ آپ کی ذات میں بیوی سے قریب کون ہوتا ہے جو ہر قسم کے اعمال، اخلاق، کردار سے آگاہ ہوتی ہے، آپ کے بعد ازاں قریبی دوست حضرت صدیق اکبرؓ۔ یہی سب سے قریبی لوگ ہیں جو ایمان لائے۔ حضور ﷺ کا کردار تھا جس نے مجبور کیا ان لوگوں کو کہ آپ ﷺ جو کلمہ پیش کر رہے ہیں وہ بھی اپنی فلاح کے لیے پڑھ لیں۔ انھوں نے جبرائیلؑ کو نہیں دیکھا اور نہ ہی وحی اترتی دیکھی، نہ ہی اور کچھ دیکھا۔ صرف اور صرف آپ ﷺ کا کردار تھا۔ تین سال بعد اللہ تعالیٰ نے دعوت کو عام کرنے کا حکم دے دیا تو کوہ صفا پر تشریف لے گئے۔ اس دور میں مکہ میں دستور تھا، اگر کسی نے اہم اعلان کرنا ہوتا تو وہ کوہ صفا پر چڑھ کر لوگوں کو پکارتا۔ آپ ﷺ نے سب سے پہلے ان سے جو بات کہی وہ یہی ہے کہ کیا اگر میں تم سے کہوں کہ پہاڑی کے پیچھے سے دشمن کا لشکر آ رہا ہے تو کیا تم میری بات کا یقین کر لو گے؟ مخالفین نے گواہی ثبت کر دی کہ آپ ﷺ کو تو ہم نے ہمیشہ سچی بات کرتے ہوئے پایا ہے۔ کبھی شائبہ تک نہیں ہوا آپ ﷺ کی بات پر۔ آپ ﷺ اس سے پہلے تو کسی institution میں نہیں گئے۔ یہ کوئی pre-planning نہیں ہے، نہ ہی پہلے کوئی خواب آ رہے ہیں یا پہلے ہی کوئی چیز آپ ﷺ کو نظر آ رہی ہو۔ اگر چہ نبوت کے لیے تو اللہ تعالیٰ نے روزِ اول سے چنا ہوا تھا۔ لیکن جو بظاہر اسباب ہیں وہ کچھ نہیں تھے۔ آپ ﷺ کا جو کردار تھا وہ اس بات کی تصویر بن گیا کہ لوگ آپ ﷺ کی بات کو اس سے پہلے کم از کم حق مان لیں۔ لوگوں تک دعوت کو پہنچانے کے لیے آپ ﷺ نے بھی اسی کو استعمال کیا کہ کیا میں نے کبھی تم سے کوئی غلط بات کی ہے؟ ان لوگوں نے خود کہا کہ آپ ﷺ

نے جو بات کہی ہے یا جو commitment کی ہے وہ پوری کر کے دکھائی ہے۔اگر چہ ایمان لانا یا نہ لانا ان کے نصیب یا اللہ کی ہدایت پر منحصر تھا۔مگر یہاں کردار اور عمل نظر آتا ہے۔اس کے بعد نبی کریم ﷺ مکہ میں وہاں تشریف لے گئے جہاں بازار لگتے تھے،کہیں سے قافلہ آیا اور سامان لے کر بیٹھ گیا وہاں پر۔کوئی آٹھ دس دن بیس دن انہوں نے اپنا سامان بیچا،وہاں سے خریداری کی،اور اگلے سفر پر۔آپ ﷺ ان بازاروں میں جاتے،باہر کے دیہاتوں سے لوگ جو خریداری کرنے کے لیے آتے ان سے ملاقات کرتے،جو لوگ سامان لے کے آتے ان سے ملاقاتیں کرتے،قافلے کے سرداروں کے پاس جاتے،دن رات یہ پیہم جدو جہد آپ ﷺ نے کی۔ایک لمحہ ایسا نہیں گزرا جب آپ ﷺ آرام سے بیٹھے ہوں۔آپ ﷺ نے نبوت کے بعد تیرہ سال کا عرصہ مکہ میں گزارا۔حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے پاس جتنا مال تھا،ایک ایک پیسہ آپ ﷺ پر وار دیا،اللہ کی راہ میں قربان کر دیا۔کچھ بھی پاس نہیں رکھا۔نماز پڑھانے لگے،مصلے پر صحابہ کرام موجود ہیں اور خود گھر چلے گئے ہیں،صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا ہوا؟ فرمایا کہ مجھے خیال آیا کہ گھر میں شاید کچھ مال پڑا ہے،گھر والوں کو ہدایت کر کے آیا ہوں کہ یہ اللہ کی راہ میں دے دو۔یہ ہے عمل۔سب سے بنیادی نقطہ مکی زندگی میں اور مدنی زندگی میں بھی عمل ہے اور اس میں بنیادی بات اللہ کی دعوت کو،اللہ کے پیغام کو لوگوں تک پہنچانا ہے،کبھی بھی اس سے سستی اور کوتاہی نہیں کی۔تکالیف،مصیبتیں،آزمائشیں اور کوئی بھی چیز آپ ﷺ کو دعوت الی اللہ سے روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔حتیٰ کہ قریش نے بڑے حربے کیے،حضرت ابو طالب کے پاس گئے،حضرت ابو طالب مجبور ہو گئے،حضرت ابو طالب نے آپ ﷺ سے کہا کہ بھتیجے!قوم آئی ہے میرے پاس کچھ تو خیال کرو۔اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ چچا!میں اس دعوت سے باز نہیں آ سکتا۔اس پر ابو طالب نے توقف کیا اور کہا کہ جو تمہارا دل کرتا ہے کرو،کوئی تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔کئی سال گزر رے،اہل قریش پھر اکٹھے ہو کر آ گئے۔پھر حضرت ابو طالب کو مجبور کیا

پھر حضرت ابو طالب نے بلایا، کہنے لگے بھتیجے میں بوڑھا ہو گیا ہوں تمہاری کفالت میرے بس سے باہر ہو گئی ہے۔ پھر کیا جواب دیا آپ ﷺ نے فرمایا چچا! اگر یہ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند رکھ دیں اور کہیں کہ اس دعوت سے باز آ جاؤ تو میں اس دعوت سے باز نہیں آؤں گا حضرت ابو طالب کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور فرمایا کہ بھتیجے جاؤ جو دل کرتا ہے تم کرو۔ چچا نے بڑی حمایت اور پشت پناہی کی۔ آپ ﷺ اور آپ کے اہل خانہ کو تین سال تک شعب ابی طالب میں آزمائش میں ڈالا۔ جب قریش نے سب سے مشکل اور سب سے بدترین حربا استعمال کیا کہ آپ ﷺ کا سوشل بائیکاٹ کر دیا۔ کوئی بندہ ملاقات نہ کرے، نہ رشتہ داری کرے، نہ کاروبار کرے۔ سارا قبیلہ ایک جگہ پر سمٹ آیا۔ ظاہر ہے جب کسی نے ملنا جلنا نہیں تو ایک جگہ اکٹھا ہی ہونا ہے۔ بڑی تکالیف ہوئیں۔ اس کے بعد مدنی زندگی میں آ جائیں۔ وہاں بھی جب موقع ملتا تو اصحاب کو اللہ کی وحدانیت کا درس دیتے۔ اس وقت مجلسیں نہیں، کتابیں، لائبریریاں بھی نہیں تھیں۔ صرف اور صرف اللہ کے دین کی دعوت اور اللہ سے پیار کی باتیں تھیں۔ صلح حدیبیہ کے بعد تھوڑا سا وقت ملا تو دعوت کا کام دوسرے ممالک تک پھیلانا شروع کر دیا۔ پورے عرب میں سفیر بھیجے جا رہے ہیں۔ بادشاہوں تک دعوتیں پہنچ رہی ہیں۔ ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گزرا جب آپ ﷺ نے اس دین سے اعراض برتا ہو، یا سستی دکھائی ہو۔ ہمیشہ یہی بات کی ”کہ اللہ کی دعوت“

قرآن پاک میں ہمیں حکم فرمایا گیا ہے کہ کنتم خیر امت اخرجت للناس ”تم بہترین امت ہو، جو لوگوں کے لیے نکالے گئے ہو۔ تامرون بالمعروف، نیکی کا حکم دیتے ہو۔ و تنھون عن المنکر، اور برائی سے منع کرتے ہو۔ و تومنون باللہ، اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

اللہ نے قرآن میں بھی ہماری ڈیوٹی متعین کر دی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے یہ کر کے

دکھایا کہ رب کے پیغام کو پہنچانا ہے۔ مجھ پر، آپ پر، ہر مسلمان پر یہ فرض ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا۔ بلغوا انی و لو آیه، وہ ایک بات جو تم تک پہنچے وہ بھی آگے پہنچاؤ۔ یہ ہے آپ ﷺ کے اسوہ کامل کا داعیانہ پہلو۔ میں اور آپ بحیثیت مسلمان اس بات کے مکلّف ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے، اللہ کے حبیب ﷺ نے دعوت کو پہنچانے کی ہماری جو ذمہ داری لگائی ہے، ہم اس کو آگے پہنچائیں۔ اس کے بعد اس آیت کا دوسرا حصہ ہے۔ فمن کان یرجوا اللہ، جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے، یعنی توحید پر تو اسے اس اسوہ حسنہ پر عمل کرنا ہے۔ اس اسوہ میں دعوت کا عظیم پہلو سامنے آتا ہے۔ اگرچہ اسوہ کے کئی پہلو ہیں۔ اللہ کو ایک مان لو۔ توحید کو پکڑ لو۔ نہ کسی کے آگے جھکو، نہ کسی سے مراد مانگو، نہ کسی سے صلہ، ستائش کی تمنا رکھو وغیرہ اللہ تعالیٰ ہی کو اپنی امیدوں کا مرکز و محور بنا لو۔ یہ بنیادی piller ہے اور اس کے بعد آخرت کو مان لو کہ ایک دن ہم نے اس دنیا سے جانا ہے اور رب کے سامنے جواب دہ ہونا ہے۔ یہ دو نقطے ایسے ہیں کہ اللہ نے حضرت آدمؑ سے لے کر نبی کریم ﷺ تک جتنے بھی نبی بھیجے ہیں، تمام انبیاء کی دعوت میں یہ دو نقطے مشترک ہیں۔ شریعتوں میں تھوڑا تھوڑا فرق رہا ہے۔ کسی میں پاکی، ناپاکی کے احکام اور ہیں، کسی میں عبادت کا طریقہ اور ہے لیکن یہ دو نقطے ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت ہر نبی کی دعوت کی بنیاد رہے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے خود ہی حل بتایا ہے کہ آپ نے اسوہ کی پیروی کرنی ہے، ان دو چیزوں پر ایمان لے آئے ہو تو ذکر اللہ کثیرا، اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحبؒ فرماتے تھے کہ ''اللہ تعالیٰ نے اپنی یاد کے سوا، اپنے ذکر کے سوا کسی چیز کو کثرت سے کرنے کا حکم نہیں دیا''۔ اس حوالے سے ہم دیکھتے ہیں کہ ہم کتنے خوش نصیب ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے سلسلہ توحیدیہ کے ذریعے محافل ذکر کی راہ دکھائی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ پیار والے بندوں کو راہ دکھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے باباجی قبلہ عبدالحکیم انصاری رحمۃ اللہ علیہ کی شکل میں ہمیں ایک ایسی ہستی عطا کی ہے جس نے ہمارے لیے ان تمام چیزوں کو ایک جگہ اکٹھا کر دیا ہے۔

توحید سکھائی کہ رب ہی سب کچھ ہے۔ہم جو ایشیائی لوگ ہیں خصوصاً برصغیر کے لوگ، ہمارے اندر سے بت پرستی نہیں نکل رہی کیوں کہ ہم نے ہزاروں سال بتوں کی پوجا کی ہے۔ہمارے بڑے ہندو تھے،سکھ تھے اور بتوں کو پوجتے تھے۔ہمارے اندر جو بیج لگا ہے وہ جاتے جاتے جاتا ہے۔بابا جی کو معلوم تھا جو ہمارے اردگرد ہو رہا تھا اور آج بھی ہو رہا ہے۔بابا جیؒ نے ہمیں ایک ایسی تعلیم introduce کرائی ہے جس کے اندر وہی تعلیم ہے جو اللہ قرآن میں فرماتا ہے اور جو نبی کریم ﷺ تعلیم دیتے تھے۔اللہ کے نبی ﷺ بنیادی زور توحید پر دیتے تھے۔یہ کہ اللہ کو ایک مانو،آخرت پر ایمان لے آؤ، نیک عمل کرو، جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔لمبے چوڑے ورد وظائف نہیں،ایک دو سیدھی سادھی باتیں ہیں اور دین کوئی مشکل طریقہ نہیں ہے۔نبی کریم ﷺ نے ہمیں یہی طریقہ بتایا ہے کہ اپنی حاجتیں،اپنی دعائیں،اور جو بھی معاملات ہیں،اپنے رب کے سامنے ہی پیش کرو۔خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں تو teacher ہوں۔ میں تو تمہیں اللہ تعالیٰ کی راہ کا سبق دیتا ہوں۔جو اسے یاد کرتا ہے اس کو اللہ سے فطری طور پر پیار، محبت اور الفت ہو جاتی ہے، جب اللہ واسطے کا تعلق ہو، ہم بھی اللہ واسطے کے لیے آئیں، اور وہ بھی اللہ واسطے کی تعلیم دیں تو اخوت اور محبت کا ہونا ایک natural بات ہے۔ اور یہی صحابہؓ کو تھی۔

(جاری ہے)

سیرت النبی ﷺ اور ہمارا طرز زندگی

(عبدالقیوم ہاشمی)

عظمت مصطفیٰ ﷺ کے اعتبار سے یہ بات ہمیں اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ آپ ﷺ کی عظمت کا بیان کرنا تو درکنار اس کا شعور و ادراک اور فہم بھی ہمارے لیے ناممکنات میں سے ہے۔ سادہ سی بات ہے کہ ایک ڈاکٹر یا سائنس دان کے علم و کمال کے مرتبے کو کوئی ڈاکٹر یا سائنسدان ہی بہتر سمجھ سکتا ہے۔ لہٰذا ایک نبی کا کیا مقام و مرتبہ ہے؟ یہ صرف کسی نبی ہی کے لیے ممکن ہے کہ اس کا اندازہ کر سکے کسی غیر نبی کے لیے یہ عقلاً محال ہے۔ ظاہر ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ سے بالا مقام کسی نبی کا نہیں لہٰذا کسی نبی اور رسول کے لیے بھی یہ ممکن نہیں کہ حضور پاک ﷺ کے مقام کا تعین کر پائے۔ لہٰذا یہ بات واضح ہو گئی کہ ہم صرف آپ ﷺ کی فرمانبرداری اور آپ ﷺ کی سیرت اور اسوہ حسنہ کی پیروی کرنے تک محدود ہیں، عظمت مصطفیٰ ﷺ کی حقیقت اور مرتبہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جان سکتا۔ اسی بات کو غالب نے بڑے خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے۔

ترجمہ: کہ ہم نے حضور اکرم کی مدح و تعریف کو خدا کے حوالے کر دیا ہے۔ ہم اس کی کوشش ہی نہیں کرتے کیوں کہ وہی ذات پاک محمد الرسول ﷺ کے اصل مقام و مرتبے سے واقف ہے"

شاعر دربار مصطفیٰ ﷺ حضرت حسان بن ثابتؓ نے درج ذیل اشعار میں جو آپ کی مدحت فرمائی ہے وہ شان مصطفیٰ ﷺ میں حرف آخر ہے۔

و احسن منک لم ترقط عینی

(آپ ﷺ سے زیادہ حسین کسی کی آنکھ نے کبھی نہیں دیکھا)

واجمل منک لم تلد النسا

(اور آپ ﷺ سے زیادہ حسن و جمال کا پیکر کسی ماں نے جنا ہی نہیں)

خلقت مبرا من کل عیب

(آپ ﷺ تو ہر قسم کے عیب سے پاک پیدا کیے گئے ہیں)

کانک قد خلقت کما تشا

(گویا کہ آپ ﷺ جیسا چاہتے تھے ویسے ہی آپ کی تخلیق کی گئی)

اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اور مقرب لوگوں میں شامل ہونے کے لیے ہر شخص کو اللہ کی محبت درکار ہے اور حصول محبت الٰہی کے لیے واحد وسیلہ آپ ﷺ کا اسوہ حسنہ کی پیروی کرنا یعنی آپ ﷺ کی اتباع اور نقش قدم پر چلنا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰه

ترجمہ: اے پیغمبر ﷺ ان لوگوں کو بتا دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میرے نقش قدم پر چلو اللہ تم سے محبت کرے گا''۔

اس آیت مبارکہ سے یہ واضح ہوا کہ ہر شخص کا اللہ کے ہاں مقام و مرتبہ کا تعین بھی رسول کریم ﷺ کی اتباع سے مشروط ہے۔ اس لیے ہمارے ایمان اور یقین میں اضافہ اسی قدر ہوگا جس قدر ہم نبی کریم ﷺ کے اسوہ مبارکہ اور نقش قدم پر چلیں گے۔ چنانچہ اللہ کے پسندیدہ بندوں میں شامل ہونے کے لیے ہماری تمام تگ و دو نبی کریم ﷺ کے اوصاف کو اپنی شخصیت کا حصہ بنانے میں صرف ہونی چاہیے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے لوگوں نے حضور اکرم

ﷺ کے اخلاق کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے جواب دیا: ''کیا تم نے قرآن کا مطالعہ نہیں کیا!حضور اکرم ﷺ کا اخلاق (اوصاف) قرآن ہی ہے۔گویا قرآن کے معیاری و مثالی اور کامل نمونہ انسان کی مثال حضور اکرم ﷺ کی ذات پاک ہے۔اسی لیے تمام مومنین کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے نقش قدم پر چلیں تا کہ اللہ کے محبوب بندوں میں شامل ہو جائیں۔مختصر طور پر وہ قرآنی حوالہ جات پیش ہیں جن میں واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان اور مومن کی ذات میں اعلیٰ اخلاقی صفات دیکھنا چاہتے ہیں۔کیوں کہ حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات میں خدا کے مقبول ومقرب بندے انہی لوگوں کو قرار دیا گیا ہے جو حسن نیت، حسن عمل اور پاکیزہ اخلاق سے آراستہ ہوں۔آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ میں حسن اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں میں کامل ایمان اس کا ہے جس کا اخلاق بلند ہے۔

سورۃ فرقان میں اللہ کے پسندیدہ بندوں کی تصویر کچھ اس طرح کھینچی گئی ہے۔

وہ زمین پر نرم روی کی چال اختیار کرتے ہیں

جب جاہلوں سے واسطہ پڑ جائے تو سلام کہہ کر کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔

وہ راتوں کو جاگ کر اللہ کی بندگی بجالاتے ہیں۔

وہ خرچ میں نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل، بلکہ میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔وہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتے۔

وہ ناحق کسی کی جان نہیں لیتے

وہ بدکاری یعنی زنا سے اجتناب کرتے ہیں

وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے

وہ فضول ولغو باتوں سے بچتے ہیں۔

سورۃ مومنون میں قرآن کے مطلوبہ انسان کی تصویر یوں دی گئی ہے۔

ان کی نمازوں میں خشیت الٰہی کا رنگ غالب ہوتا ہے۔

وہ اپنی آبرو اور عصمت کی حفاظت کرتے ہیں۔

وہ امانتوں اور وعدوں کے امین و محافظ ہوتے ہیں

سورۃ توبہ میں انکا نقشہ کچھ اس طرح پیش کیا گیا ہے۔

وہ اپنے گناہوں پر توبہ کرنے والے ہوتے ہیں۔

اللہ کی حمد کے خوگر ہوتے ہیں

وہ اللہ کی راہ میں گھروں سے نکلتے ہیں

وہ رکوع و سجود کرتے ہیں

وہ بدیوں کی روک تھام کرتے ہیں۔

وہ اللہ کی مقرر کردہ حدود کے سختی سے پابند ہوتے ہیں۔

سورہ شوریٰ میں اہل ایمان کے اوصاف کچھ اس طرح بیان ہوئے ہیں۔

وہ اپنے رب پر کامل بھروسہ رکھتے ہیں اور بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے اجتناب کرتے ہیں۔

وہ غصہ کی حالت میں معاف کردیتے ہیں۔

وہ اپنے پروردگار کی پکار پر جواب دیتے ہیں۔

نماز ادا کرتے ہیں۔

ان کے کام باہمی مشاورت سے سرانجام پاتے ہیں

جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

جو اللہ کی راہ میں لڑتے اور انتقام حق لیتے ہیں برائی کا بدلہ اس قدر ہے اور اگر کوئی معاف کردے اور نیکی کرے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے۔

قرآن اور معلم قرآن ﷺ نے مزید جو صفات بیان کی ہیں کہ اللہ کے پسندیدہ بندے وہ ہیں:

جو صحبت صالح اختیار کرتے اور بھلے لوگوں کے ساتھ رفاقت رکھتے ہیں ۔وہ باہمی محبت کرنے والے،صدقہ وخیرات میں سبقت کرنے والے، کھرے، حق گو، نفاق سے پاک، صابر و شاکر، وفا شعار، بلند اخلاق ، نرم خو اور اللہ کے کلمے کو بلند (یعنی قرآن کے پیغام کو پھیلانے میں) محنت اور کوشش کرتے ہیں ۔ان خوبیوں کے ساتھ جن برائیوں سے وہ سختی کے ساتھ بچتے ہیں،ان کا ذکر بھی جا بجا کیا گیا ہے۔

جھوٹ، غیبت، بدگوئی، بدگمانی، سوءظن، وعدہ خلافی، الزام تراشی، خوشامد، بخل، حسد، کینہ سے اس طرح بچتے ہیں جس طرح سارے انسان سانپوں سے بچتے ہیں ۔الغرض قرآن کا پسندیدہ انسان دین سے مخلصانہ محبت کا حامل ہوتا ہے ۔اور اس کے لیے ہر طرح کی قربانی دے سکتا ہے۔ وہ دین کی معرفت یعنی علم دین حاصل کر کے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے احکام سے آگاہ ہوتا ہے۔وہ دین کے راستے میں ہر مشکل وقت میں استقامت دکھاتا ہے ۔اور دینی خدمات میں دوسروں سے سبقت حاصل کرنے کی سعی کرتا ہے ۔یہ ہیں وہ چند قرآنی مطلوبہ صفات جو اگر کوئی شخص اپنے اندر پیدا کر لے تو حقیقی معنوں میں اللہ اور رسول کریم ﷺ کا پسندیدہ انسان بن جاتا ہے ۔اب یہ ہر انسان کو چاہیے کہ مذکورہ خوبیوں کو اپنے اندر بتدریج بڑھاتا جائے اور برائیوں کو اپنے اندر کم کرتا جائے یہی وہ قرآنی اوصاف ہیں جو سیرت مصطفیٰ ﷺ میں کمال درجہ تک پہنچے اور تمام انسانیت کے لیے بالعموم اور مسلمانوں کے لیے بالخصوص اسوہ حسنہ بنے اس لیے ہمارا طرز زندگی اس نہج پر ہونا چاہیے ۔سیرت مصطفیٰ ﷺ ہم سے یہی تقاضا کرتی ہے۔

یہ آشیاں کسی شاخِ چمن پہ بار نہ ہو

(مفتی محمد تقی عثمانی)

مشہور ہے کہ چند نابینا افراد کو زندگی میں پہلی بار ایک ہاتھی سے سابقہ پیش آیا، آنکھوں کی بینائی سے تو وہ سب محروم تھے، اس لئے ہر شخص نے ہاتھوں سے ٹٹول کر اُس کا سراپا معلوم کرنا چاہا، چنانچہ کسی کا ہاتھ اُس کی سونڈ پر پڑ گیا، کسی کا اُس کے ہاتھ پر، کسی کا اس کے کان پر، جب لوگوں نے اُن سے پوچھا کہ ہاتھی کیسا ہوتا ہے؟ تو پہلے شخص نے کہا کہ وہ مڑی ہوئی ربڑ کی طرح ہوتا ہے، دوسرے نے کہا کہ نہیں! وہ لمبا لمبا ہوتا ہے، تیسرے نے کہا کہ وہ تو ایک بڑے سے پتے کی طرح ہوتا ہے۔ غرض جس شخص نے ہاتھی کے جس حصے کو چھوا تھا اسی کو مکمل ہاتھی سمجھ کر اس کی کیفیت بیان کردی، اور پورے ہاتھی کی حقیقت کسی کے ہاتھ نہ آئی۔

کچھ عرصے سے ہم اسلام کے ساتھ کچھ ایسا ہی سلوک کر رہے ہیں جیسا، ان نابیناؤں نے ہاتھی کے ساتھ کیا تھا، اسلام ایک مکمل دین ہے، جس کی ہدایات وتعلیمات کو چھ بڑے شعبوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت، سیاست اور اخلاق۔ ان چھ شعبوں میں ہر ایک سے متعلق تعلیمات دین کا لازمی حصہ ہیں، جنہیں نہ دین سے الگ کیا جاسکتا ہے، اور نہ صرف اسی کو مکمل دین کہا جاسکتا ہے، لیکن کچھ لوگوں نے دین کو صرف عقائد وعبادات کی حد تک محدود کر کے باقی شعبوں کو نظر انداز کر دیا، کسی نے معاملات سے متعلق اس کے احکام کو دیکھ کر یہ کہہ دیا کہ اسلام تو درحقیقت ایک فلاحی معیشت کا نظام ہے، کسی نے اس کی سیاسی تعلیمات کا مطالعہ کیا تو اس نے یہ سمجھ لیا کہ دین کا اصل مقصد سیاست ہے، اور باقی سارے شعبے اس کے تابع ہیں یا محض ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔

لیکن اس سلسلے میں سب سے زیادہ پھیلی ہوئی غلط فہمی یہ ہے کہ دین صرف عقائد و عبادات کا نام ہے اور زندگی کے دوسرے مسائل سے اس کا کوئی تعلق نہیں، اس غلط فہمی کو ہوا دینے میں

تین چیزوں نے بہت بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے،ایک تو عالم اسلام پر غیر مسلم طاقتوں کا سیاسی تسلط تھا ،جس نے دین کا عمل دخل دفتروں ، بازاروں اور معاشرے کے اجتماعی معاملات سے نکال کر اُسے صرف مسجدوں ، خانقاہوں اور بعض جگہ دینی مدرسوں تک محدود کردیا اور جب زندگی کے دوسرے شعبوں میں اسلامی تعلیمات کا چلن نہ رہا تو رفتہ رفتہ یہ ذہن بنتا چلا گیا کہ دین صرف نماز روزے کا نام ہے۔دوسرا سبب وہ سیکولر ذہنیت ہے جس نے سامراج کے زیر اثر تعلیمی اداروں نے پروان چڑھایا،اس ذہنیت کے نزدیک دین و مذہب صرف انسان کی انفرادی زندگی کا ایک پرائیویٹ معاملہ ہے،اور اسے معیشت وسیاست اور معاشرت تک وسعت دینے کا مطلب گھڑی کی سوئی کو پیچھے لے جانے کے مترادف ہے۔تیسرا سبب خود اپنے اپنے طرزِ عمل سے پیدا کیا،اور وہ یہ کہ دین سے وابستہ بہت سے افراد نے جتنی اہمیت عقائد وعبادات کو دی،اسکے مقابلے میں معاملات ،معاشرت اور اخلاق کو دسواں حصہ بھی اہمیت نہیں دی۔

بہر حال!ان تینوں اسباب کے مجموعے سے نتیجہ یہی نکلا کہ معاملات ،معاشرت اور اخلاق سے متعلق اسلام کی تعلیمات بہت پیچھے چلی گئیں ،اوران سے ناواقفیت اتنی زیادہ ہوگئی کہ گویا وہ دین کا حصہ ہی نہیں رہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ عقائد اور عبادات دین کا جزو اعظم ہیں ،ان کی اہمیت کو کسی بھی طرح کم کرنا دین کا حلیہ بگاڑنے کے مترادف ہے،خود آنحضرت ﷺ نے اسلام کی بنیاد جن پانچ چیزوں پر قرار دی ہے،ان میں سے ایک کا تعلق عقائد سے،اور چار چیزوں کا تعلق عبادات سے ہے،اور جو لوگ عقائد وعبادات سے صرفِ نظر کر کے صرف اخلاق ،معاشرت اور معاملات ہی کو سارا دین سمجھتے ہیں وہ دین کو محض ایک مادہ پرستانہ نظام میں تبدیل کر کے اُس کا وہ سارا حُسن چھین لیتے ہیں ،جو دوسرے مادہ پرستانہ نظاموں کے مقابلے میں اس کا اصل طرۂ امتیاز ہے اور جس کے بغیر اخلاق ،معاشرت اور معاملات بھی ایک بے روح جسم اور ایک بے بنیاد عمارت کی حیثیت اختیار کر جاتے ہیں۔

لیکن یہ بھی اپنی جگہ نا قابلِ انکار حقیقت ہے کہ دین کی تعلیمات عقائد وعبادات کی حد تک محدود نہیں ہیں اور ایک مسلمان کی ذمہ داری صرف نماز، روزہ ادا کر کے پوری نہیں ہو جاتی، خود آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''ایمان کے ستر سے زائد شعبے ہیں جن میں اعلیٰ ترین شعبہ توحید کی شہادت ہے اور ادنیٰ ترین شعبہ راستے سے پتھر، گندگی دور کرنا ہے، بلکہ معاملات، معاشرت اور اخلاق کا معاملہ اس لحاظ سے زیادہ سنگین ہے کہ ان کا تعلق حقوق العباد سے ہے، اور یہ اصول مسلّم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حقوق تو بہ سے معاف کر دیتا ہے، لیکن حقوق العباد صرف توبہ اور استغفار سے معاف نہیں ہوتے، ان کی معافی کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو حق دار کو اس کا حق پہنچایا جائے، یا وہ خوش دلی سے معافی دے دے، لہٰذا دین کے یہ شعبے خصوصی اہتمام کے متقاضی ہیں۔

پھر معاملات، معاشرت اور اخلاق کے ان تین شعبوں میں بھی سب سے زیادہ لاپرواہی معاشرت کے شعبے میں برتی جا رہی ہے، معاشرتی برائیوں کا ایک سیلاب ہے جس نے ہمیں لپیٹ میں لیا ہوا ہے، اور اچھے خاصے پڑھے لکھے، تعلیم یافتہ، بلکہ ایسے دین دار حضرات بھی جو دین سے اپنی وابستگی کیلئے مشہور سمجھے جاتے ہیں، اس پہلو سے اتنے بے خبر ہیں کہ ان معاشرتی خرابیوں کو گناہ ہی نہیں سمجھتے۔

قبل اس کے کہ معاشرتی مسائل کی جزئیات سے بحث کی جائے، آج کی صحبت میں یہ اصولی اشارہ مناسب ہے کہ اسلام کی ساری معاشرتی تعلیمات کی بنیاد حضور اکرم ﷺ کے اس ارشاد پر ہے کہ:

اَلۡمُسۡلِمُ مَنۡ سَلِمَ الۡمُسۡلِمُوۡنَ مِنۡ لِّسَانِهٖ وَیَدِهٖ ۔

''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔''

اسلام کی ساری معاشرتی تعلیمات اسی بنیادی اصول کے گرد گھومتی ہیں کہ ہر مسلمان اپنے ہر ہر قول و فعل میں اس بات کی احتیاط رکھے کہ اس کی کسی نقل و حرکت یا کسی انداز و ادا سے

کسی دوسرے کو کسی بھی قسم کی جسمانی و ذہنی ،نفسیاتی یا مالی تکلیف نہ پہنچے۔

مذکورہ حدیث میں ہاتھ اور زبان کا بطورِ خاص ذکر کیا گیا ہے۔لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہاتھ اور زبان کے سوا کسی اور ذریعے سے تکلیف پہنچانا جائز ہے،ظاہر ہے کہ اصل مقصد ہر قسم کی تکلیف پہنچانے سے رکنا ہے، چونکہ زیادہ تر تکلیفیں ہاتھ اور زبان سے پہنچتی ہیں،اس لئے ان کا بطورِ خاص ذکر کر دیا گیا ہے۔جس طرح کسی مسلمان کو کوئی ناروا تکلیف پہنچانا حرام ہے، اسی طرح مسلمان ملک کے کسی غیر مسلم باشندے کو بھی ناحق تکلیف دینا حرام و ناجائز ہے۔

حضورِ اکرم ﷺ کے دل میں دوسروں کو تکلیف سے بچانے کی کس قدر اہمیت تھی؟اس کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ آپ ﷺ ایک مرتبہ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے، دیکھا کہ ایک صاحب اگلی صفوں تک پہنچنے کیلئے لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے آگے بڑھ رہے ہیں۔آپ ﷺ نے یہ دیکھ کر خطبہ روک دیا اور فرمانے لگے: بیٹھ جاؤ،تم نے لوگوں کو اذیت پہنچائی ہے۔"

حضورِ اکرم ﷺ نے مسجد کی پہلی صف میں نماز پڑھنے کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے بلکہ فرمایا کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ پہلی صف میں کتنا اجر وثواب ہے تو وہ گھٹنوں کے بل آنے سے بھی گریز نہ کریں،لیکن یہ ساری فضیلت اسی وقت تک ہے جب تک پہلی صف میں پہنچنے کیلئے کسی دوسرے کو تکلیف دینی نہ پڑے،لیکن اگر اس سے کسی کو تکلیف پہنچنے لگے تو یہ اصول سامنے رکھنا ضروری ہے کہ پہلی صف تک پہنچنا مستحب ہے اور دوسروں کو تکلیف سے بچانا واجب ہے۔ لہٰذا ایک مستحب کی خاطر کسی واجب کو چھوڑا نہیں جا سکتا۔

اسلام نے اپنی تعلیمات میں اس بات کا خیال رکھا ہے کہ انسان دوسرے کیلئے تکلیف کا باعث نہ بنے،اسلام کی معاشرتی تعلیمات اسی محور کے گرد گھومتی ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے:

تمام عمر اسی احتیاط میں گزری
یہ آشیاں کسی شاخِ چمن پہ بار نہ ہو

احترامِ آدمیت

(اشفاق احمد)

آج تک تو ہم بیشتر بابوں کے بارے میں ذکر کرتے آئے ہیں۔ مجھے ایک چھوٹے سے بچے کی یاد بہت ستا رہی ہے جو ایک مرتبہ اپنے ماں باپ کے بغیر، اور شاید ان سے اجازت لیے بغیر ڈیرے پر آ گیا تھا، وہ گول مٹول سا، پیارا سا بچہ تھا۔ بڑا اپنا ٹھنا تھا، اور آ کے بابا جی سے روتے ہوئے کہنے لگا، کہ مجھے اپنے ابا جی سے اختلاف، شکایت ہے، میں شکایت لگانے آیا ہوں تو انہوں نے پوچھا، ابا جی سے ایسی کیا شکایت ہے بیٹا، بیٹھو۔ کچھ لو کھاؤ پیو، مٹھائی وغیرہ رکھی تھی نا۔ تو اس نے کہا نہیں میں کوئی چیز نہیں کھاؤں گا۔ پوچھا، شکایت کیا ہے۔ اس نے کہا، یہ بھی نہیں بتاؤں گا میں۔ بس مجھے ہے۔ وہ آپ کے پاس آتے ہیں، اور بڑا دعویٰ کرتے ہیں، محبت کا اور شرافت کا، لیکن وہ ان میں ہے نہیں۔ السلام علیکم کہہ کر وہ وہاں سے چلا جاتا ہے۔ تو بابا جی نے کہا، اس کے پیچھے جائیں اور اس کو منا کر لائیں، لیکن وہ بڑے غصے میں تھا، چوتھی پانچویں کا لڑکا ہو گا، لیکن رکا نہیں، اور وہ چلا گیا، اور اس کے بعد کچھ پتا نہیں چلا۔ اور نہ یہ پتا چلا کہ اس کے والد کون ہیں اور کس کے خلاف شکایت لے کر آیا تھا۔ لیکن وہ شکایت ہمارے ذہن کے رجسٹروں میں درج کر گیا، اور ظاہر ہے ہم اس کا کوئی قلع قمع نہ کر سکے، کیوں کہ یہ پتا نہیں تھا کہ وہ کدھر سے آیا ہے۔ تو میں اس کی یاد میں جو کہ بڑی دیر کے بعد آئی ہے، اور اب وہ کہیں اللہ کے فضل سے بڑے عہدے پر ہو گا، یا کوئی تاجر ہو گا، یا سیاست میں داخل ہو چکا ہو گا۔

ہوا یہ کہ ہم پاکستان بنا چکے تھے، اور وہ زمانہ درمیانی مدت کا زمانہ تھا، یعنی ہمیں کچھ آدھا وقت گزر چکا تھا بیس بائیس سال۔ اور ہم لوگ competition کے میدان میں اتر چکے تھے مسابقت کے میدان میں، مقابلہ کے میدان میں اور ہم competiti on کو ہی اپنی زندگی کا

معیار اور ذریعہ بنا چکے تھے۔ شرافت کا نجابت کا، آگے بڑھنے کا، یہ جانتے ہوئے کہ competition جو ہے، یہ تخلیقی صلاحیت کی راہ میں ایک بہت بڑا پتھر ہے۔ ایک آدمی کے اندر جو تخلیقی صلاحیتیں ہوتی ہیں نا۔ کچھ کرنے کی، کچھ کر گزرنے کی صلاحیت، لیکن وہ competition میں اپنا آپ بھی بھلا چکا ہوتا ہے۔ وہ پھر ایک انسان نہیں رہتا، وہ competition کی ایک مشین بن جاتا ہے۔ اور دن رات اسی میں الجھا رہتا ہے۔ وہ ساری صلاحیتیں جو انسان میں ہوتی ہیں، وہ ماؤف ہو جاتی ہیں۔ بظاہر یہ بات نظر نہیں آتی۔ وجہ یہ ہے، جب بھی آپ competition کرتے ہیں، وہ انسان کے خلاف کرتے ہیں۔ کبھی بھی کسی پتھر کے، کھمبے کے، سٹریٹ لائٹ کے، پل کے خلاف نہیں کرتے۔ بھینس کے خلاف آپ نے کبھی competition نہیں کیا، جب بھی کرتے ہیں انسان کے خلاف کرتے ہیں۔ اور جب انسان کے خلاف کرتے ہیں، اور آپ کامیاب ہو جاتے ہیں، اور کامیاب ہو کر تمیں بندوں کو گرا دیتے ہیں۔ تو پھر پوچھتے ہیں کہ آپ تو کامیاب ہو گئے۔ اسلام میں Competition کی spirit, یہ صورت بالکل منع ہے۔ ایک ہی اجازت ہے، اور وہ ہے تقویٰ کے لیے، آپ اس میں مسابقت کر سکتے ہیں۔ اعلیٰ سے اعلیٰ ہونے میں مسابقت، پیسے کمانے میں، خوبصورت بننے میں، شیمپو اعلیٰ درجے کا استعمال کرنے میں، کپڑے استعمال کرنے میں، یہ کوئی کمال کی بات نہیں۔ لیکن آدمی اس میں competition کرتا ہے۔ میری بچیاں کہتی ہیں کہ نہیں دادا یہ تو قمیض ہم پہن کے نہیں جائیں گی، یہ تو پہلے بھی ہم پہن کے گئی تھیں، سہیلی کی مہندی پر۔ یہ ہماری بے عزتی ہے۔ ایک دفعہ پہن لی، کیوں کہ یہ competition ہے۔ زندگی کے جو زمینی competition ہیں وہ انسان کو بڑا تنگ کرتے ہیں، اور اس کی صلاحیتوں کے اوپر ایک جال ڈال دیتے ہیں۔

آپ کو اندازہ نہیں ہوگا، آپ تو سمجھتے ہیں کہ competition بہت healthy فضا میں پیدا ہوا۔ کوشش، جدوجہد، سٹرائیو strive سٹرگل، بھاگ دوڑ یہ ساری کی ساری

آپ کے اندر انا اور تکبر پیدا کرتی ہیں۔آپ دیکھیے امریکہ کو۔آپ کے سامنے مثال ہے، کتنی بھاگ دوڑ کرتا ہے، کتنا تر دد کرتا ہے، کتنا competition کرتا ہے، کتنا اعلیٰ درجے کا ملک ہے، اور کیسا متکبر ہے۔کسی کی کوئی بات بھی خاطر میں نہیں لاتا۔کہتا ہے، جو میں فیصلہ کرتا ہوں، وہی ٹھیک ہے، جو میں نے حکم دے دیا عراق کے بارے میں۔وہ ٹھیک۔تو یہ بہتر انسان ہونے کی خاصیت نہیں ہے۔اسی لیے ہمارے یہاں حکم ہے کہ آپ competition نہیں کر سکتے ہیں۔مثلاً ایک عجیب سی بات آپ سے کرنے لگا ہوں، آپ کے چہرے دیکھ کے۔امید ہے آپ انشاءاللہ تعالیٰ اتنا برا نہیں مانیں گے، جتنا عام لوگ مانتے ہیں۔ایک بچہ کلاس میں فرسٹ آتا ہے کوئی تیس بچوں کی کلاس میں سے اب وہ تو فرسٹ آ گیا اور تیس بچے جو ہیں وہ تو down، وہ تو منہ کے بل گر گئے نا، زمین پر، اور ان کو شرمندہ ہونے کا موقع ملا۔تو میرا دین پوچھتا ہے کہ یہ بھی تو human being ہیں۔یہ انسان ہیں۔ان کا کیا بندو بست آپ نے کیا ہے۔آپ نے تو ایک دکان بنائی، اور بڑے کمال کی چلا لی۔ایک لاکھ روپیہ روز کمانے لگے اور باقی کے بھی بندے آپ کے ارد گرد رہتے ہیں۔ان کو بھی زندہ رہنا ہے۔یہ بھی اللہ نے پیدا کیے ہیں، جس طرح آپ کو حیات ملی ہے، ان کو بھی زندگی ملی ہے۔آپ کون ہوتے ہیں اس کے اوپر تکبر کرنے والے کہ جناب ہم نے بہت بڑا کمال کیا۔تو یہ بندے کو پتا ہی نہیں چلتا کہ وہ competition کی دنیا میں داخل ہو کر اپنی انسانی صلاحیت اور انسانی تخلیقی قوت جو ہے، اس کو دبا دیتا ہے۔یہ آج میں ، بہت عجیب بات آپ سے کر رہا ہوں، جو کہ عام طور پر نہیں کی جاتی ہے۔اس وقت ہم تو یہی کہتے ہیں کہ competition ہمارا بہت اچھا ہے۔تو باقی کے بندے کیا کریں؟ کیا وہ مرتے ہیں تو مریں اور یہ بات میں نے اس لیے شروع کی کہ پہلے تو یہ بڑوں میں بات تھی، اب یہ ہمارے گھروں میں پہنچ چکی ہے۔اور میں نے Recently دیکھا کہ یہ بات بچوں میں بھی اتار دی گئی ہے اور بچے جو پڑھتے ہیں آپ جیسے ان کو بہت شرمندہ کیا جاتا ہے۔اس طرح سے شرمندہ کیا جاتا ہے

کہ میں آپ کو اس کی مثال یہ دیتا ہوں کہ میرے گھرانے میں جو پڑھے لکھے لوگوں کا گھرانہ ہے میں نے اپنے بہت قریبی عزیز جو میرے بچوں کی طرح مجھے عزیز ہے، وہ لڑکا اپنی بہن سے یہ کہہ رہا تھا اپنے بھانجوں کے بارے میں کہ ''آپا تیرے منڈے دے کنے نمبر آئے نیں'' لڑکا بھی وہیں کھیل رہا تھا۔ اس نے کہا اسکے تو 680 نمبر ہیں۔ کہنے لگا، اوہ یہ کوئی نمبر ہیں۔ پھر کہنے لگا، میرے لڑکے نے لیے ہیں اور دہا کے لیے ہیں۔730 ٹھیک ہے۔ کہنے لگا 730۔ آپا نمبر ہی نمبر کر دیئے۔ گھر میں نمبر، اوپر نمبر، چوبارے میں نمبر، وہ کیا سیڑھی پر نمبر، ہمارے براںڈوں میں نمبر ہی نمبر۔ میرے کان کھڑے ہوئے، جب اس نے کہا نا کہ ہر جگہ نمبر ہی نمبر بکھرے ہوئے ہیں ، ہمارے گھر میں۔ میں نے کہا، شاید پتا نہیں یہ کیا بات کر رہا ہے، پھر میں نے اس کی بات غور سے سنی، اور میں نے محسوس کیا کسی خوفناک بیماری کا انجکشن دے کر کوئی اس بے چاری کو جو میری نواسی ہے، چلا جا رہا ہے۔ تو میں نے اس کو بلا کر کہا یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ اس پر میری بھانجی بولی، نانا یہ تو بڑی خوبی کی بات ہے اس نے زیادہ نمبر لیے تو آپ فخر کریں۔ میں نے کہا، اس نے زیادہ نمبر لیے لیکن کسی ایسے باپ پر فخر کرنا نہیں چاہیے، وہ بھی انسان ہے، وہ تیری سگی بہن ہے، اس کا بھی دل ہے، اس کا بھی گھر ہے، اس کا بھی بچہ ہے، جیسے بچہ تجھے عزیز ہے، ویسے ہی اس کو عزیز ہے۔ اس نے کہا نہیں جی اگر کوئی کمزور ہوگا تو ہم تو اسے شرمندہ کریں گے۔ کہنے لگا دیکھیں اللہ تعالٰی نے میرے اوپر کتنا فضل کیا ہے۔ میں کم از کم پانچ ہزار روز کا کماتا ہوں اور ہے کوئی ہمارے خاندان میں ایسا آدمی ۔ وہ ایک اکیلا آدمی نہیں ہے۔ آپ اپنے اردگرد اپنے گھروں کے اندر، اپنے شہر کے اندر، دیکھیں۔ لوگ آپ کو، مجھے خوفزدہ کرنے کے لیے شرمندہ کرنے کے لیے کیا کیا طریقے استعمال کرتے ہیں، ایسے طریقے جن کی ممانعت ہے، جو ہمارے یہاں ایک حرام چیز تصور کیے جاتے ہیں۔ آپ نے کبھی اس کی طرف دھیان ہی نہیں دیا۔ آپ نے کبھی انا اور تکبر کے بارے میں سوچا ہی نہیں، آپ یہ competition کرنے والے، مسابقت کرنے والے،

یہ سمجھتے ہیں کہ تکبر کا جو گناہ تھا، وہ تو ابلیس نے کرلیا، اللہ تعالیٰ کے سامنے، ہم تو بالکل تکبر نہیں کرتے۔ یہ تو جی کھلے میدان ہم کام کرتے ہیں۔ دوسرا بھی ہےتو میدان میں آئے۔ ہم کہتے ہیں کہ کسی وجہ سے دوسرا نہیں آسکے گا تو کیا تم اس کو شرمندہ کرنے کے لیے پیدا ہوئے ہو۔ تمہیں اللہ نے صرف یہ صلاحیت دی ہے۔ تم اپنا موبائل ٹیلیفون لٹکا کے سارے محلے میں اس لیے چلتے ہو، کہ میرے پاس موبائل ہے، اگر ہے اور اس کو سچ مچ استعمال کرتے ہو تو اسے بند رکھو، اس کو چھپا کے رکھو، کیوں اس غریب کو دکھاتے ہو جس کے پاس نہیں ہے۔ اگر تمہارے پاس اعلیٰ درجے کی کار ہے اور میرے پاس چھوٹی سی ہے تو تم مجھے کیوں شرمندہ کرتے ہو کہ لا کے میرے منہ کے آگے کھڑی کر دیتے ہو کہ اشفاق صاحب اپنی چھوٹی سی پدی گاڑی نہ نکال سکیں۔ تو مجھے بھی زندہ رہنے کا حق حاصل ہے، یہ زمین میری بھی ہے، یہ ملک میرا بھی ہے، اور جو نعمت آپ کو اللہ نے عطا کی ہے، وہ مجھے بھی عطا کی ہے، اور پھر بیوقوف لوکو تم یہ سمجھتے ہو کہ سب کچھ تمہاری کوششوں سے، تمہاری جدو جہد سے، تمہارے competition سے، تمہاری بھاگ دوڑ سے تم کو ملا ہے؟ نہیں! یہ خدا کی عطا ہے۔ اس کا شکر ادا کرو، اور جوں جوں عطا میں اضافہ ہوتا جائے، توں توں سرنگوں ہوتے جاؤ، نیچے جھکتے چلے جاؤ

(جاری ہے)

علامہ اقبالؒ اور عالم اسلام کا اتحاد

(ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی)

حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ کی عظیم ملی خواہش جس کی خاطر انھوں نے ہمیشہ بھرپور جدوجہد کی تھی کہ

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

سید جمال الدین افغانیؒ کی طرح علامہ محمد اقبالؒ کا نظریہ بھی یہی تھا کہ روئے زمین کے تمام مسلمان ایک وسیع تر نظریہ قومیت کے حامل ہیں۔ اس نظریہ کی بنیاد توحید ہے، جس کی پاسبانی کی خاطر پیغمبر آخرالزمان حضرت محمد ﷺ نے تمام مسلمانوں کو ایک متحد قوم بلکہ جسدِ واحد بنا دیا تھا۔ دنیا کی دیگر اقوام اگرچہ اپنی جغرافیائی نسبتوں کے باعث پہچانی جاتی ہیں اور یہی ان کی شناخت کا ذریعہ ہیں، لیکن مسلمانوں کی شناخت صرف اور صرف ان کا نظریہ اسلام ہے، جس کی خاطر وہ دنیا میں زندہ رہتے ہیں اور مرتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے یہی نظریہ اپنے عہد کے مسلمانوں کو ذہن نشین کراتے ہوئے کہا تھا کہ

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر — خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار — قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تیری

علامہ "ملت از وطن است" کے بجائے خالص اسلامی نظریہ "ملت از دین است" کے مبلغ تھے۔ ان کے نزدیک مصر میں رہنے والے مصری نہیں ہیں، ایران میں رہنے والے ایرانی نہیں، عرب میں رہنے والے عربی نہیں ہیں بلکہ یہ سب کے سب "قوم رسول ہاشمی" کے افراد ہیں

اسلام ترا دیس ہے، تو مصطفوی ہے

یہی وہ خالص اسلامی فکر ہے، جس کے باعث دنیا بھر کے مسلمان ایک متحدہ قوم اور ایک عظیم قوت بنتے ہیں۔ اس فکر کے مطابق تمام عالم اسلام ایک جسدِ واحد کی حیثیت رکھتا ہے جس طرح

پاؤں میں کانٹا چبھنے کی تکلیف انسان کا دل محسوس کرتا ہے اور اس کی آنکھ میں آنسو تیرنے لگتے ہیں۔

مبتلائے درد کوئی عضو ہو تو روتی ہے آنکھ
کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ

اسی طرح روئے زمین پر اگر کسی جگہ بھی مسلمانوں کو تکلیف پہنچے تو اس کی تکلیف پورے عالم اسلام کو ہونی چاہیے۔ اس لیے کہ جسد واحد ہے اگر وہ یہ تکلیف محسوس نہیں کرتا، تو یہ بات اسلامی اخوت کے سراسر منافی ہے اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایسے معاشرے میں رہنے والے نام نہاد مسلمان اسلام کی روح سے بیگانہ ہیں۔ علامہ کے نزدیک زوال وانتشار کی یہ موجودہ صورت حال پیدا کرنے میں مغربی حکماء کا بڑا حصہ ہے۔ جن کی مسلسل سازشوں سے مسلمانوں کا یہ نظریہ اخوت مضمحل ہو گیا ہے۔ علامہ مسلمانوں کو سازش سے خبر دار کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

یہ ہندی وہ خراسانی، یہ افغانی وہ تورانی ۔۔۔ تو اے شرمندہ ساحل اچھل کر بے کراں ہو جا
تو ابھی راہ گزر میں ہے قید مقام سے گزر ۔۔۔ مصر و حجاز سے گزر، پارس و شام سے گزر

علامہ اقبال کے نزدیک ہر وہ شخص جو دل سے توحید و رسالت کا اقرار کر لیتا ہے، وہ ایک ایسی عظیم ملت کا فرد بن جاتا ہے جس میں رنگ، وطن، نسل اور قوم کی کوئی تفریق نہیں۔ وہ کالا ہو یا گورا، عربی ہو یا عجمی، امریکہ کا رہنے والا ہو یا جنوب کا، حصار اسلام میں داخل ہو جانے کے بعد اس کی نظر میں جغرافیائی حدود کوئی اہمیت نہیں رکھتیں، وہ ان تمام قیود و حدود سے رہائی پا لیتا ہے اسلام کی برکت سے اس کے قلب و نظر میں بے کراں وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی وہ وسعت تھی، جس کے باعث عرب سے ایک نوجوان محمد بن قاسم ایک مسلمان قیدی عورت کی فریاد پر لشکر جرار لے کر سندھ پہنچ گیا تھا اور یہی وہ روح تھی جس کی بدولت افغانستان سے احمد شاہ ابدالی، شاہ ولی اللہ کا خط ملتے ہی پانی پت کے میدان میں پہنچ گیا تھا۔ غور کریں تو ہمارے دور عروج کی تاریخ ایسے واقعات سے بھری ہوئی ہے۔

اس نظریہ اسلام پر ایمان لانے کے بعد جب حضرت سیدنا سلمان فارسیؓ سے کسی قریش نے ان کا نسب پوچھا تھا،تو انہوں نے فرمایا تھا،''میرا نام ہے،''مسلمان بن اسلام''یعنی اسلام کا بیٹا ہوں۔ دولت اسلام سے مشرف ہونے کے بعد اب'' فارس'' سے نسبت میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ میرے لیے شرف کا باعث اگر کچھ ہےتو وہ صرف اور صرف اسلام ہے

حضرت علامہ اقبالؒ کی تعلیمات کی روح بھی یہی ہے کہ مسلمان سن آف دی سوئل نہیں بلکہ سن آف اسلام ہے نظریہ اسلام قبول کرنے کے بعد بھی اگر کوئی وطن کو اپنا اللہ بناتا ہےتو وہ اسلام کے نظریہ توحید سے سراسر بیگانہ ہے اس لیے کہ،

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے جو پیرہن اس کا ہے، وہ مذہب کا کفن ہے۔

عالم اسلام کے ہر مسلمان کے لیے علامہ کا پیغام یہ تھا کہ

نہ تو زمیں کے لیے ہے، نہ آسماں کے لیے جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں جہاں کے لیے
رہے گا راوی و نیل و فرات میں کب تک ترا سفینہ کہ ہے بحرِ بے کراں کے لیے
درویش خدا مست نہ شرقی ہے نہ غربی گھر اس کا ہے دلی، نہ صفاہاں، نہ سمر قند
بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا نہ ایرانی رہے باقی ، نہ تورانی، نہ افغانی
جو کرے گا امتیاز رنگ و خون مٹ جائے گا ترک خرگاہی ہو، یا اعرابی والا گہر

ایک مقام پر علامہ اقبالؒ مسلمانوں کو مغرب کے تصور وطن کا فرق یوں ذہن نشین کراتے ہیں۔

گفتار سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
ارشادِ نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے۔

حضرت علامہؒ نے اپنی عمر کے آخری دور میں (بستر علالت پر) تین معرکہ آرا لڑائیاں لڑی تھیں۔ پہلی لڑائی قادیانیت کے خلاف ،جس کے بانی مرزا قادیانی کے ذریعے استعمار نے جہاد کو متروک قرار دینے کی کوشش کی تھی۔ دوسری لڑائی کیمونسٹوں اور سوشلسٹوں کے خلاف تھی۔ مولانا حسین احمد مدنی نے جب کانگرس کے پلیٹ فارم سے یہ کہا کہ

''قومیں اوطان سے بنتی ہیں،تو علامہ اقبالؒ نے ان کے جواب میں صحیح اسلامی نقطۂ نظر واضح کرتے ہوئے فرمایا: ''اگر وطنیت کا جذبہ ایسا ہی اہم اور قابل قدر تھا،تو رسول اللہ ﷺ کے ہم قوموں کو آپ ﷺ سے پرخاش کیوں ہوتی ؟ کیوں رسول اللہ ﷺ نے اسلام کو ایک ہمہ گیر ملت سمجھ کر بلحاظ قوم ابو جہل اور ابو لہب کو اپنا نہ بنایا ،اور کیوں نہ ان کی دلجوئی کرتے رہے۔ کیوں نہ عرب کے سیاسی امور میں ان کے ساتھ قومیت وطن قائم رکھی ۔اگر اسلام سے متعلق آزادی مراد تھی،تو آزادی کا نصب العین تو قریش مکہ کے پیش نظر بھی تھا۔حضور رسالت مآب ﷺ کے لیے یہ راہ بہت آسان تھی کہ آپ ﷺ ابولہب، ابوجہل یا کفارمکہ سے فرماتے کہ تم اپنی بت پرستی پر قائم رہو، ہم اپنی خدا پرستی پر قائم رہتے ہیں ۔مگر اس نسلی اور وطنی اشتراک کی بنا پر، جو ہمارے اور تمہارے درمیان ہے، ایک وحدت عربیہ قائم کی جاسکتی ہے۔''

تاریخ شاہد ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ راہ اختیار نہیں فرمائی ۔یہی وجہ تھی کہ اسلام قبول نہ کرنے کی وجہ سے ان کا سگا چچا (ابولہب) ان کی قومیت سے خارج ہوگیا اور حبش کا بلال اور روم کا صہیب (بدیسی ہونے کے باجود) ان کی قومیت میں شامل ہوگئے

علامہ اقبال جانتے تھے کہ وطنیت کا یہ بت مغرب کے سنگ سازوں نے تراشا ہے۔ استعماری قوتیں مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرکے ان کی قوت کو ختم کرنا چاہتی ہیں ۔ چنانچہ انہوں نے پوری قوت سے آواز بلند کی کہ عصر حاضر کے مسلمان بت شکنی کا فریضہ انجام دینے کی خاطر اٹھ کھڑے ہوں اور وطنیت کے اس بت کو پاش پاش کردیں۔

یہ بت کہ تراشیدہ تہذیب نوئی ہے غارت گر کا شانہ دین نبوی ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے اسلام ترا دیس ہے، تو مصطفوی ہے
نظارہ دیرینہ زمانے کو دکھا دے اے مصطفوی خاک میں اس بت کو ملا دے

وحدت ملی کا پارہ پارہ کرنے کی اس استعماری سازش کو حضرت علامہ اقبالؒ نے بروقت فاش کیا اور مسلمانوں کو بتایا کہ ''یورپ کی ملوکانہ اغراض اس امر کی متقاضی ہیں کہ اسلام کی وحدت دینی کو پارہ پارہ کرنے کے لیے اس سے بہتر اور کوئی حربہ نہیں کہ اسلامی ممالک میں نظریہ وطنیت کی اشاعت کی جائے ۔ اگر بعض مسلمان اس فریب میں مبتلا ہیں کہ دین اور وطن بحیثیت سیاسی تصور کے یکجا ہو سکتے ہیں تو میں سب مسلمانوں کو بروقت انتباہ کرتا ہوں کہ اس راہ کا آخری مرحلہ لادینی ہوگا ۔ اگر لادینی نہیں ،تو اسلام کو محض ایک اخلاقی نظریہ سمجھ کر اس کے اجتماعی نظام سے بے پرواہی ہوگی''(مولانا مدنی کے جواب میں بیان)

علامہ اقبال کے نزدیک اسلام ایک پرائیوٹ معاملہ نہیں بلکہ ایک سوسائٹی ہے ۔ 21 مارچ 1932 کو لاہور میں مسلم کانفرنس کے سالانہ اجلاس میں اپنی صدارتی تقریر میں انہوں نے فرمایا ''میرا عقیدہ ہے کہ اسلام ایک پرائیوٹ معاملہ یا رائے نہیں بلکہ وہ ایک سوسائٹی ہے ۔ میں یورپ کی وطنیت کا مخالف ہوں ۔ اس لیے نہیں کہ اگر اسے ہندوستان میں نشو ونما پانے کا موقع ملے ،تو مسلمانوں کے مادی فوائد کم ہوں گے ۔ میری مخالفت تو اس بنا پر ہے کہ میں اس کے اندر ملحدانہ مادیت پرستی کے بیج دیکھتا ہوں ۔ جو میرے نزدیک انسانیت کے لیے عظیم خطرہ ہے ۔ حب الوطنی بالکل ایک طبعی صفت ہے اور انسانوں کی اخلاقی زندگی میں اس کے لیے پوری جگہ ہے لیکن اصل اہمیت اس کے ایمان اس کی تہذیب اور اس کی روایات کو حاصل ہے اور ان ہی کیلئے مرے ،نہ کہ زمین کے اس ٹکڑے کے لیے جس سے اس کی روح کو کچھ عارضی ربط پیدا ہو گیا ہے ۔''

جس طرح سورج مشرق سے طلوع ہونے اور مغرب کی طرف اپنا سفر جاری رکھنے کے باوجود مشرقی اور مغربی نہیں ،اسی طرح ایک مسلمان کسی خطہ زمین سے طلوع ہونے کے باوجود اپنی فطرت کے اعتبار سے "خاوری" ہے ۔ اسلام نے اسے ایک لازوال عالمگیر رشتہ اخوت سے منسلک کر دیا ہے ۔ اس نظریہ کو علامہ نے جاوید نامہ کے صفحہ 69-68 میں بڑے اچھوتے انداز میں بیان کیا ہے ۔

باوطن اہل وطن را نسبتے است زاں کہ زا خاکش طلوع ملتے است
اندر ایں نسبت اگر داری نظر نکتہ بینی زمو باریک تر
گرچہ از مشرق برآید آفتاب با تجلی ہائے شوخ و بے تاب است از سوز دروں
فطرتش از مشرق و مغرب بری است گرچہ او از روئے نسبت خاوری است

1930ء میں مسلم لیگ کے اجلاس الٰہ آباد میں انہوں نے اپنے خطبہ صدارت میں اسی بات پر زور دیتے ہوئے فرمایا تھا۔ ''جماعت اسلامی کی ترکیب صرف اسلام ہی کی مرہون منت ہے کیوں کہ اسلامی تمدن کے اندر ایک مخصوص روح کارفرما ہے۔ میرا مطلب، یہ ہے کہ مسلمانوں کا اندرونی اتحاد اور ان کی نمایاں یکسانیت ان قوانین وارشادات کی مرہون منت ہے، جو تہذیب اسلامی سے وابستہ ہیں''۔

ملت مسلم کی اساس اسلام ہے جو تو حید رسالت پر مبنی ہے اس کے اجزائے ترکیبی میں وطن کا مغربی تصور شامل نہیں۔ ممکن ہے یہاں کسی ذہن میں سوال ابھرے کہ جب مسلمانوں کا ایک ملت ہونا ثابت ہے تو اس ملت کا وطن کہاں ہے؟ تو اس کا جواب حدیث رسول ﷺ میں ہے کہ ساری روئے زمین میری مسجد ہے۔ علامہ نے اسی کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا ہے۔

ہر ملک، ملک ماست کہ ملک خدائے ماست

اکیسویں صدی کا آغاز ہوتے ہی استعماری قوتیں مسلمانوں کو ان کی اصل راہ سے ہٹانے کے لیے ایک بار پھر کمر بستہ ہوگئی ہیں۔ تہذیبوں کی اس موجودہ جنگ میں اب ہر مصطفوی کا قدم اس جانب اٹھنا چاہیے جو اس کو منزل (یعنی اتحاد اسلامی) کے قریب تر کردے۔ اس لیے کہ اتحاد اسلامی ہی ہماری اصل قوت ہے۔ عصر حاضر میں ہمارے لیے علامہ کا یہی پیغام ہے کہ۔

بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے اسلام ترا دیس ہے، تو مصطفوی ہے
اے مصطفوی خاک میں اس بت کو ملا دے نظریہ دیرینہ زمانے کو دکھا دے

حیا: جزوایمان

(محمدنوازرومانی)

آج ترقی کا زمانہ ہے اور اہل یورپ نے ترقی کے نام پر عورت کو گھر کی چاردیواری سے باہر نکالنا لازم قرار دے رکھا ہے تاکہ وہ مردوں کے شانہ بشانہ کام کرے۔اللہ تعالیٰ نے مردوعورت کا ایک دائرہ کار مقرر کر رکھا ہے اور جب وہ اپنے اپنے دائرہ کار سے باہر نکلتے ہیں تو ہر جگہ بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔یہی قانون قدرت ہے۔

مغربی طرز حیات اس امر کی غماز ہے کہ جب عیش پسند لوگوں نے ترقی کا جھانسہ دے کر بھولی بھالی یا بیوقوف عورت کو گھر سے باہر نکالا تو پھر وہ ان کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر رہ گئی اور ہنوز بن رہی ہے۔نتیجتاً وہ گھر کی رہی نہ گھاٹ کی۔نارتھ کیرولینا کی ایک ستر سالہ بوڑھی امریکی عورت نے جب ''باہمی مل بیٹھنے''(get togather) کی محفل میں بیساختہ کہا:

''اگر آج میری جوانی واپس لوٹ آئے تو اسے اپنے والدین کے حوالے کردوں کہ جس کے چاہو پلے باندھ دو۔'' تو یہ فقرہ درد کی انگنت کہانیاں سنا گیا۔ یہ ایک فقرہ چیخ چیخ کر بہ بانگ دہل کہہ رہا تھا کہ اے لوگو!تم کیا جانو کہ میں ان ستر سالوں میں کن المناک الیوں، کن اذیتوں، کن گناہ آلود تجربوں، کن شعلہ بداماں دوزخوں، کن ذہنی و جذباتی الجھنوں، کن افسردگیوں، کن بے حیائیوں کے پلوں، کن آوارگیوں کی گھاٹیوں، کن خرافات کی وادیوں اور دوستوں کی کن بیوفائیوں سے گزری ہوں اور میرے اٹیچی کیس میں طلاق کے کتنے ہی کاغذ موجود ہیں جن کو دیکھ کر میں اکثر ماضی کے واقعات میں کھو کر آٹھ آٹھ آنسو بہاتی ہوں اور یہی حال مغرب کی صرف ایک عورت کا نہیں بلکہ سب ترقی نسواں اور نام نہاد ترقی کی ناگنوں کی ڈسی ہوئی ہیں اور مسلسل ڈستی چلی جارہی ہیں۔مگر ماحولیاتی شکنجوں اور قدروں میں وہ اس قدر جکڑی ہوئی ہیں کہ اب ان سے باہر نکلنا ان کے بس کا روگ نہیں ہے بلکہ وہ نت نئے جالوں میں پھنستی چلی جارہی ہیں۔

سیکولرترکی جس کو"یورپ کا مرد بیمار" کہتے ہیں وہاں مصطفیٰ کمال پاشا نے یورپ کی تقلید میں ڈنڈے کے زور پرعورت کوگھر سے باہر نکالا۔آج وہاں یورپ کی غیر مسلم اور ترک کی نام نہاد مسلمان عورت کے ظاہری لباس،شکل و شباہت اور رہن سہن میں کوئی فرق نہیں ہے۔ متعدد بہ اکثریت کونماز نہیں آتی بلکہ اکثر خواتین کسی شخص کونماز پڑھتے دیکھ کرحیران ہوتی ہیں کہ یہ کیاعجیب حرکتیں کر رہا ہے۔وہاں کی عالیشان خوبصورت مساجد کے درودیوار سے ویرانی اور اداسی ٹپکتی ہے۔معدودے چند بوڑھیوں اور خال خال نوجوان نمازیوں کے یہ مسجدیں نام کی آباد ہونے کے باوجود غیر آباد ہیں اور اپنے ماضی کی شان پر نوحہ کناں ہیں۔

حیایہاں بھی ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔شاید پورے ترکی ملک میں کہیں کہیں کسی کونے کھدرے میں منہ چھپائے بیٹھی مسلمان عورت کی حالت زار پر آنسو بہارہی ہو۔اہل مغرب کی انتہائی کوشش ہے کہ مسلمان عورت بھی مغربی عورت کی طرح شرم وحیا کی چادرکواپنے جسم سے اتار دے۔

حضرت فضل شاہ قطب عالم نوروالے رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"عورت کا مقام خلوت،حقیقت خواہش،درجہ عارف دنیا ہے اور فطرت کے ساتھ جنم لیتی ہے۔"

اس بات کومغرب کے اہل علم ودانش بھی بخوبی جانتے ہیں لہٰذا وہ چاہتے ہیں کہ اولاً مسلمان عورت کسی نہ کسی طرح خلوت سے جلوت میں آجائے۔اس کے لئے انہوں نے کئی دام ہمرنگ زمیں بچھارکھے ہیں تاکہ ان کا کام آسان ہوجائے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالیہ ہے۔"عورت (سراپا)واجب الستر ہے۔جب وہ گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کو دیکھتا ہے۔"(ترمذی)

اور جب وہ گھر سے باہر نکل آتی ہے تو شیطان اس کا شکار کر لیتا ہے۔اور پھر اس کے ذریعے معاشرے میں بے راہروی وبے حیائی کی ایسی آگ بھڑکا دیتا ہے جو صدیوں پر محیط ہوتی ہے اور بجھنے کا نام تک نہیں لیتی۔لہٰذا مغربی شیطانوں نے ایسے جال بننے شروع کر دیئے جس سے

مسلمان عورت کو جلوت میں آنے کی ترغیب ہو۔

فی زمانہ الیکٹرانک میڈیا انتہائی موثر ذریعہ ترغیب و تحریص ہے۔ جس سے عورت کے اندر خواہشات کا آلاؤ روشن کرکے اسے دنیا کی چکاچوند کے حوالے کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اسے فطری طور پر دنیا کا ادراک و عرفان ہوتا ہے لہٰذا وہ جلد یا بدیر اس کی ریشمی خوش رنگ ڈوریوں میں ذہنی و جذباتی طور پر جکڑ جاتی ہے اوراس کی سوچوں کی سوئی جس مقام پر جا کر رک جاتی ہے پھر وہاں سے حتی المقدور ہلنے کا نام تک نہیں لیتی۔

عورت کو خلوت سے جلوت میں آنے سے جو چیز روکتی ہے وہ اسلامی تعلیمات سے آگہی، ازواج الرسول امہات المومنین رضی اللہ عنہا کی تقدس و مطہر زندگیوں کا بے مثل نمونہ اور محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق و محبت ہے۔ لیکن جوان سے تہی دامن ہو وہ بہت جلد گمراہ ہوجاتی ہے۔ یہ اصولی بات ہے کہ عارف دنیا پر صرف عارف مولا ہی غالب آتا ہے۔ اگر مرد عارف مولا ہو تو عورت اس کے حکم میں رہتی ہے اور کوئی ایسا کام نہیں کرتی جو خاوند کی رنجش کا باعث بنے اور اگر صورت حال یہ ہو کہ مرد عارف مولا نہ ہو تو پھر عورت اس پر سواری کر لیتی ہے وہ عورت کا بے دام غلام بن کر رہ جاتا ہے۔ وہ خاوند کو جدھر چلاتی ہے وہ چلتا ہے۔ جو منواتی ہے وہ مانتا ہے۔ عورت میں یہ خوبی بھی بدرجہ اتم موجود ہے کہ اگر اس کا رخ دین کی طرف ہو تو وہ اندر اور باہر سے اپنے رب کریم اوراس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ پر ہمہ وقت لگ جاتی ہے جس سے وہ مرد کی بہ نسبت بہت جلد عارف باللہ ہو جاتی ہے۔

لیکن فی زمانہ مسلمان عورتوں کی اور مسلمان مردوں کی خاصی اکثریت قرآن و حدیث مبارکہ کی تعلیمات سے بے بہرہ ہے لہٰذا معاشرے میں بے حجابی و بے پردگی عام ہے۔ تمام تر کاوشیں حصول دنیا کے لیے وقف ہو کر رہ گئی ہیں۔ مردوں اور عورتوں کی آنکھوں، زبانوں اور جسموں سے حیا کے پردے اٹھتے جا رہے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''حیاایمان میں سے ہے۔''

حالات شاہد ہیں کہ آہستہ آہستہ حیاایمان سے نکلتی جارہی ہے۔اب اکثرعورتوں نے ایسا لباس زیب تن کرناشروع کردیاہے کہ پہنانا یا نہ پہنا برابر ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہابیان کرتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

''بہت سی دنیامیں پہننےوالی ایسی ہیں جوآخرت میں برہنہ ہوں گی۔''

مطلب یہ ہے کہ عورتیں ایسا لباس پہنیں گی کہ جس کو وہ خیال کریں گی کہ ہمارا جسم برہنہ نہیں ہے لباس میں چھپا ہوا ہے لیکن وہ لباس نہ ہونے کی طرح خیال کیا جائے گا۔(بخاری ج ا ص 135)اورآج کل ایسے باریک لباس میں ملبوس اکثرعورتیں گلی کوچوں اور بازاروں میں عام دکھائی دیتی ہیں۔جن کےلباس کےاندر سےان کا جسم نظر آتا ہے۔

اب حالات یہ ہیں کہ مردوں نے عورتوں اورعورتوں نے مردوں کی صورت وہیت اختیار کرنا شروع کردی ہے۔دور سے جو مرد نظر آتا ہے قریب آنے پر وہ عورت ہوتی ہے اور فاصلے سے جوعورت دکھائی دیتی ہے قریب آنے پر وہ مرد ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں پرلعنت کی ہے جوعورتوں کی سی صورت اختیار کرتے ہیں اوران عورتوں پربھی لعنت کی ہے جومردوں کی سی صورت اختیار کرتی ہیں۔(صحیح بخاری ج 3 ص 352)

اورجس پراللہ تعالی کامحبوب صلی اللہ علیہ وسلم لعنت فرمادے پھراس کا کہاں اورکون ساٹھکانا ہوگااس کابخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔لیکن کوئی ان عقل کےاندھوں سے پوچھے کہ آخرانہیں اپنے مرداورعورت ہونے پرعارکیوں محسوس ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کی صورت اختیار کرنے لگے ہیں۔

صاحبو!جب صبح وشام منظم طریقے سے کسی خاص مقصد کےحصول کیلئے مختلف ذرائع سے پروپیگنڈہ کیا جائےتو آہستہ آہستہ قلب وذہن اس کااثرقبول کرنے لگتے ہیں۔مغرب کے یہودیوں،عیسائیوں اور دیگر بے دین اداروں نے لاکھوں کروڑوں روپے خرچ کر کے ایسی

عورتوں اور مردوں کوخرید رکھا ہے جنہوں نے غیر سرکاری تنظیموں کے ذریعے مختلف پروگراموں کے تحت مردوں کو بے حس اور بے دین بنانے اور عورتوں کو گھر کی چاردیواری سے باہر لانے کا بیڑا اٹھا رکھا ہے اور وہ شب وروز اس مقصد کے حصول کے لئے کوشاں ہیں۔ ان کے علاوہ فیشن ایبل مغربی کلچر کی شیفتہ ووارفتہ خواندہ مادہ پرست عورتیں آزادیٔ نسواں کے نام پر ریلیاں، سیمینار وغیرہ منعقد کر کے عورت کی مظلومی کا ڈھنڈورہ پیٹتی اور اسے مردوں کے خلاف بغاوت پر یا نافرمانی پر اکساتی رہتی ہیں جس سے کئی گھرانوں میں فتور پیدا ہو گیا ہے۔ علاوہ ازیں ٹیلیویژن پر ایسے پروگرام دکھائے جارہے ہیں جن کے ذریعے گھر کی چاردیواری کے اندر عورتوں کی ایسی تربیت کی جاتی ہے جس سے ان کے اندر آزادخیالی پیدا ہو۔ اب ایسا نظام متعارف کرادیا گیا ہے جس کے تحت یونین کونسلوں سے لے کر اسمبلیوں تک عورتوں کی فوج ظفر موج نظر آتی ہے۔ کئی عورتوں نے اپنے تجارتی ادارے کھول رکھے ہیں اور بیشمار عورتیں مختلف دفاتر میں ملازمت کرتی ہیں۔ لیکن ان سب کے باوجود ابھی تک اللہ کا شکر ہے کہ اسلامی ماحول اور دینی حصار کی وجہ سے عورتوں کی متعدد بہ اکثریت نے حیا کے دامن کو مضبوطی سے تھام رکھا ہے اور وہ بڑی نیک اور پاکدامن ہیں لیکن وہ اپنوں اور پرائیوں کے برپا کئے ہوئے طوفان بے حیائی کے آگے کب تک ڈٹی رہیں گی۔ ایک نہ ایک دن انکی سوچوں ان کے لباسوں، انکی بے حجابی اور ان کا غیر محرموں کے ساتھ آمادہ گفتگو ہونا وغیرہ کسی نہ کسی کونے سے تو حیا کا دامن چھوٹے گا۔

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ مختلف دفاتر، غیر سرکاری تنظیموں اور اداروں میں جہاں مرد اور عورتیں اکٹھے کام کرتے ہیں وہ آپس میں گفتگو بھی کرتے ہیں۔ اکٹھے سفر پر بھی جاتے ہیں۔ آپس میں گپ شپ بھی ہوتی ہے۔ مختلف موضوعات پر تبادلہ خیالات بھی کرتے ہیں۔ باہم ہنسی مذاق بھی ہوتا ہے۔ گھریلو دکھ درد کی باتیں بھی کی جاتی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد عالیہ کے مطابق آنکھوں پر قابو رکھنے والوں کے لئے نجات کی نوید ہے اور نظریں نیچی رکھنے والے مرد اور عورتوں کے لئے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جنت کے ضامن ہیں بشرطیکہ وہ بھی نیچی رکھنے

کی ضمانت دیں۔کیا کوئی ہے جو آج کے آزادی پسند ماحول میں اس بات کی ضمانت دے۔ یقیناً کوئی نہیں ہے تو پھر جنت کیسے ملے گی؟

ہر معاشرے میں اچھے برے لوگ ہوتے ہیں لیکن جو عورتیں صراطِ مستقیم سے بھٹک جاتی ہیں جن کے حیا کا دامن تار تار ہو جاتا ہے وہ قحبہ خانوں کی مالکن بھی ہیں اور سرِ عام دعوتِ نظارہ و گناہ بھی دیتی ہیں لیکن اس کے باوجود ان پر بھی اسلامی معاشرے کا خوف طاری رہتا ہے اور وہ ابلیسی کھیل بڑی احتیاط سے کھیلتی ہیں۔

اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لینے اور ان سے محبت کی دعویدار عورتو اور مردو! کیا تمہیں معلوم ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کنواری دلہن جو شرم و حیا کا پیکر ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ حیادار تھے۔کیا تم نہیں جانتے کہ ہر جمعتہ المبارک کے خطبہ میں حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی حیا کا اعلان کیا جاتا ہے۔پھر تم حیا سے تہی دامن کیوں ہوتے جا رہے ہو۔ حضرت فضل شاہ قطب عالم نور والے رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''سب سے زیادہ نیک عورت وہ ہے جو لب پر حرفِ شکایت نہ لائے اور محسنات میں اس عورت کو شمار کیا جاتا ہے جو اپنے شوہر کے خلاف نہ چلے۔لاریب عورت چراغِ خانہ ہے شمعِ محفل نہیں۔'' (اخص الخواص ص 226)

اے عورتو! تمہاری عظمت اسی میں ہے کہ حیا کو اپنا لباس بنالو اور حیا کے زیور سے خود کو سنوارے رکھو۔اپنے گھروں میں بیٹھو اور گناہوں پر آنسو بہاؤ پھر دیکھنا انسان تو انسان ملائکہ بھی تمہارا نام ادب سے لیں گے اور امہات المومنین رضی اللہ عنہم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چاروں شہزادی بیٹیوں سے تمہارا ٹوٹا ہوا تعلق پھر سے استوار ہو جائے گا۔لیکن اگر تم نے اپنی روش کو نہ بدلا اور مغرب کی اندھی اور بے حیا تقلید سے منہ نہ موڑا تو پھر حیا کے ہم آہنگ ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھو گی یہ ناقابلِ تلافی نقصان ہو گا۔لاریب حیا ایمان میں سے ہے اور حیا عورت کا حسن ہے۔حیا عورت کا نکھار ہے۔حیا عورت کی زندگی ہے۔حیا عورت کی جنت ہے۔ حیا عورت کا سرمایہ ہے۔حیا عورت سے اور عورت حیا سے ہے۔

اللّٰہ

قول وعمل کی ہم آہنگی

(محمد اسجد قاسمی)

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد اپنے پہلے اور مختصر خطاب میں فرمایا تھا:

"آج تم کو کہنے والے امام سے کہیں زیادہ کرنے والے امام کی ضرورت ہے"۔

حضرت عثمان کا یہ بلیغ جملہ ہمارے اس دور میں جیسی مطابقت رکھتا ہے، شاید ایسی مطابقت کسی دور میں نہ رہی ہوگی۔

قوالیت اور قوالیت پسندی ہم مسلمانوں کی بیماریوں میں سے بے حد قابل فکر بیماری ہے، قول وعمل کا تضاد سب سے بڑا انسانی روگ ہے، یہ نفاق کی بدترین صورت ہے، قرآن میں یہود کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے:

"تم دوسروں کو تو نیکی کا راستہ اختیار کرنے کے لئے کہتے ہو مگر اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟ حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو، کیا تم عقل سے بالکل ہی کام نہیں لیتے؟ ۔البقرہ 44

مسلمانوں کو مخاطب کیا گیا:

"اے ایمان والو تم کیوں وہ بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ اللہ کے نزدیک یہ سخت نا پسندیدہ حرکت ہے کہ تم کہو وہ بات جو کرتے نہیں"۔(الصف 3)

اس آیت میں صاف واضح کر دیا گیا ہے کہ ایک سچے مسلمان کے قول وعمل میں مکمل مطابقت ہونی چاہیے، جو کہے اسے کرے، جو کرنے کی نیت یا ہمت نہ ہو اسے زبان سے نہ کہے، قول وعمل کا تضاد بدترین خصلت ہے جو اللہ کے غضب کا سبب بنتی ہے، دوسروں کی اصلاح کے لئے سرگرمی اور اپنی اصلاح سے بے فکری خود را فضیحت دیگراں را نصیحت کا انجام بے حد عبرتناک ہوتا ہے، حضرت اسامہؓ کی حدیث ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

"قیامت کے دن ایک شخص کو لا کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا تو آگ میں (شدید عذاب کی وجہ سے) اس کی آنتیں باہر نکل آئیں گی، اہل دوزخ اس کے پاس جمع ہو کر کہیں گے تمہارا کیا ہے؟ کیا تم دنیا میں ہم کو اچھی باتوں کا حکم نہ دیتے تھے اور بری باتوں سے منع نہ کرتے تھے؟ وہ کہے گا کہ میں تم کو اچھی باتوں کا حکم تو دیتا تھا مگر خود ان پر عمل نہ کرتا تھا اور تمہیں بری باتوں سے روکتا تو تھا مگر خود ان کا ارتکاب کرتا تھا"۔ (بخاری شریف)

معلوم ہوا کہ قول و عمل کا تضاد جہنم کے المناک عذاب کو دعوت دیتا ہے، دوسروں کی فکر میں اپنی طرف سے بے فکری مسخرہ پن ہے، حدیث شریف میں ہے:

"عقل مند وہ ہے جو اپنا محاسبہ کر لے اور آخرت کی ابدی زندگی کے لئے عمل کر لے اور عاجز و بے بس ہے وہ جو اپنے نفس کو خواہش نفس کے تابع کر دے اور (بداعمالیوں کے ساتھ) اللہ سے (فلاح و نجات کی) آرزوئیں باندھے"۔ (ترمذی شریف)

ایک حدیث شریف میں وارد ہوا ہے:

"مجھے اس امت پر ہر اس منافق سے اندیشہ ہے جو باتیں تو حکیمانہ کرے لیکن کام اس کے ظالمانہ ہوں"۔ (شعب الایمان)

دانشمندانہ، فکر انگیز، حکمت پر مبنی، شیریں گفتگو ہو مگر عمل ظالمانہ و فاسقانہ ہو، زبان نبوت میں ایسے لوگ امت کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہیں اور ان سے ہوشیار رہنے کی تاکید و تلقین ہے ، ایک حدیث میں ایسے لوگوں کے بارے میں آیا ہے کہ ان کی زبانیں شکر اور شہد سے زیادہ شیریں مگر دل بھیڑیوں کی طرح خطرناک ہوں گے اور ان سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمائی ہے کہ ہر نبی کی امت میں ایسے ناخلف ہوتے ہیں جو قول و عمل کے تضاد اور حکم شریعت کے عصیان میں مبتلا ہوتے ہیں، ایسے لوگوں سے اپنے ہاتھ سے جہاد (ان کی غلط کاریوں پر نکیر) کرنے والا مومن کامل ہے، ان سے زبانی جہاد کرنے والا درمیانی درجہ کا مسلمان ہے اور صرف دل سے جہاد کرنے والا (دل میں ان کے عمل کو برا سمجھنے والا)

ناقص مومن ہے اس کے بعد ایمان رائی کے دانے کے برابر بھی نہیں رہتا۔(مسلم شریف)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا امتیازی وصف قول وعمل کی ہم آہنگی اور قوتِ عمل تھا جس نے آپ کو ہر مرحلہ حیات میں کامیابی سے ہمکنار کیا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سوال کے جواب میں کہا تھا:

"آپ کا اخلاق قرآن ہے"۔(ابوداؤد شریف)

یعنی جو کچھ قرآن میں بصورتِ الفاظ ہے وہی آپ ﷺ کی سیرت و حیات میں بصورتِ عمل ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلتا پھرتا قرآن ہیں، آپ نے جو حکم بھی دیا سب سے پہلے اور سب سے زیادہ خود اس پر عمل کر کے دکھایا، غریبوں کی امداد کا حکم دیا تو پہلے خود بھوکے رہ کر دوسروں کو کھلایا، دشمنوں کو معاف کرنا سکھایا تو پہلے خود دشمنوں کو معاف کیا، نماز کا حکم دیا تو سب سے زیادہ نمازیں خود پڑھیں، زکوٰۃ کا حکم دیا تو اپنا سب مال راہِ خدا میں قربان کر دیا، قرآن نے اسی لئے آپ کی حیات کی اخلاقیت کو آپ کے معاصرین کے سامنے نقد تبصرہ کیلئے پیش کیا:

"میں اس سے پہلے ایک مدت تمہارے درمیان گزار چکا ہوں، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے"۔(یونس 16)

پھر آپ کو خطاب کر کے فرمایا: "اے محمد! یقیناً آپ اخلاق کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں"۔(القلم 4)

قول وعمل اور گفتار و کردار کی موافقت ہی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر میدان زندگی میں نمایاں کامیابی عطاء کی، اور آج بھی کامرانی کی کلید یہی موافقت ہی ہے، اسلاف کی کامیابیوں اور ظفرمندوں پر ناز کرنے والے اور اپنے آپ کو فراموش کرنے والے افراد سے اقبال کی زبان میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ:

تم ہو گفتار سراپا، وہ سراپا کردار
تم ترستے ہو کلی کو، وہ گلستاں بکنار

خطیبِ رسول ﷺ حضرت ثابت بن قیسؓ

(محمود میاں نجمی)

حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ مسجدِ نبویؐ میں تشریف فرما تھے۔ آپس میں محوِ گفتگو صحابہ کرامؓ میں سے کچھ کی آوازیں بے خیالی میں معمول سے اونچی ہوگئیں۔ یہ سب اَن جانے میں ہوا، ورنہ صحابہ کرامؓ تو حضور ﷺ کے ادب و احترام کا بہت خیال رکھتے تھے، لیکن ربِ ذوالجلال کو اپنے محبوب رسولؐ کی موجودگی میں آواز کی یہ بے احتیاطی بھی پسند نہ آئی اور جبرائیل امینؑ، اللہ کا حکم لے کر حاضر ہوگئے ”اے ایمان والو! اپنی آواز کو نبی کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ نبیؐ کے ساتھ اونچی آواز سے بات کیا کرو، جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا کیا کرایا سب غارت ہوجائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو“ (سورۃ الحجرات)۔ اس آیت کے نزول پر صحابہ کرامؓ، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے خوف سے مزید محتاط ہوگئے۔ حضرت ثابت بن قیسؓ کی آواز قدرتی طور پر بھاری تھی اور بلند بھی، چنانچہ اُنھوں نے خود کو گھر میں گوشہ نشین کرلیا اور باہر نکلنا بند کردیا تنہائی میں اتنا روتے کہ داڑھی آنسوؤں سے تر ہوجاتی، حتیٰ کہ کھانا پینا بھی ترک کردیا۔ حضور نبی کریم ﷺ اپنے صحابہؓ کے حال احوال سے باخبر رہا کرتے تھے، سو، جب کئی دن گزر گئے اور حضرت ثابت بن قیسؓ نظر نہ آئے تو آپ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذؓ سے دریافت فرمایا ”ثابتؓ کا کیا حال ہے؟“، حضرت سعدؓ نے جواباً عرض کیا ”یا رسول اللہ! وہ میرے پڑوسی ہیں، مگر مجھے اُن کی بیماری وغیرہ کا تو کوئی علم نہیں، البتہ ابھی جا کر اُن کی کیفیت معلوم کرکے آپ ﷺ کو مطلع کرتا ہوں۔“ حضرت سعدؓ جب اُن کے گھر گئے، تو وہ سر جھکائے بیٹھے تھے۔ حضرت سعدؓ نے پوچھا ”اے ثابتؓ! کیا حال ہے؟“ جس پر اُنھوں نے جواب دیا ”بُرا حال ہے۔ (میری آواز سب سے بلند اور بھاری ہے)

چنانچہ بعض اوقات (غیر ارادی طور پر) میری آواز، رسول اللہ کی آواز سے بلند ہو جاتی تھی، لہٰذا (اس آیت کے نزول کے بعد) اب میرے سب اعمال ضائع ہو گئے اور اسی غم نے مجھے نڈھال کر رکھا ہے۔ ''حضرت سعدؓ نے واپس جا کر نبی کریم ﷺ کو مطلع کیا، تو آپؐ نے فرمایا ''تم اُنکے پاس جاؤ اور اُن سے کہو کہ وہ جنتی ہیں'' (بخاری)۔ یہ ہے اللہ کے رسولؐ کی عظمت کہ صحابۂ کرامؓ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ نبیؐ کی مجلس میں بات کرو، تو ادب اور قرینے کے ساتھ، دھیمے لہجے میں کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ ذرا سی بے احتیاطی عمر بھر کی کمائی ضائع کر دے اور یہی حکم بعد کے لوگوں کے لیے بھی ہے کہ جس مجلس میں محبوبِ خدا کا ذکر ہو، وہاں ادب و احترام کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ جو دل اللہ کے رسولؐ کے ادب اور احترام سے خالی ہے، وہ دراصل تقویٰ سے خالی ہے، اس کے ساتھ ہی معاشرے کے بزرگ اور عمر رسیدہ افراد کے ساتھ بھی گفتگو کے دوران ادب، آداب کا پورا خیال رکھتے ہوئے مدہم آواز میں بات کرنی چاہیے۔ رسول اللہ نے فرمایا ''جب اپنے والدین سے بات کرو، تو ایسے کرو، جیسے اپنے آقا سے کرتا ہے۔''

سلسلۂ نسب: آپؓ کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ ثابت بن قیس بن شماس بن زہیر بن مالک بن امرء القیس بن مالک بن اعز بن ثعلبہ کعب بن خزرج بن حارث بن خزرج اکبر۔

قبولِ اسلام: حضرت ثابت بن قیسؓ مدینہ منورہ کے سب سے معزز، مشہور اور بڑے قبیلے خزاج کے سرداروں میں سے تھے۔ ذہانت، فطانت، فہم و فراست، علم و حکمت، شیریں کلامی، حاضر جوابی، زورِ خطابت میں اُن کا ثانی نہیں تھا۔ بھاری، بلند، بارُعب آواز اور خوب صورت، پُراثر تقاریر کا فن تحفۂ خداوندی تھا۔ جس کا بھرپور استعمال کرتے۔ نیز، وہ مدینے میں اوّلین ایمان لانے والوں میں سے ایک تھے۔ بیعتِ عقبہ اولیٰ کے موقع پر آنحضرتؐ نے ایک نوجوان صحابی، حضرت مصعب بن عمیرؓ کو یثرب میں مسلمانوں کا پہلا سفیر اور اسلام کے مبلّغ کے طور پر بھیجا، جنھوں نے نہایت جوش و خروش سے اسلام کی تبلیغ کی۔ وہ جلد ہی اپنے ایمان افروز خطابات اور

مکارم اخلاق کی وجہ سے مبلّغ، معلّم اور استاد کی حیثیت سے مشہور ہو گئے ۔حضرت ثابت بن قیسؓ اُنکی محفلوں میں بیٹھتے اور قرآن کریم کی آیات کریمہ سُن کر اُن پر غور و خوض کرتے ، پھر ایک دن اُنھوں نے حضرت مصعبؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیا۔

مرحبا! اے تاجِ دارِ مدینہؐ: امام الانبیاءؐ، تاج دارِ مدینہؐ نبی رحمت حضور رسالتِ مآب ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے ،تو اہلِ مدینہ شہر سے باہر آپؐ کے استقبال کے لیے صف بستہ تھے۔اہلِ انصار کی بچیاں بڑے ذوق وشوق ،احترام وعقیدت کے ساتھ خوب صورت اشعار پڑھ رہی تھیں ۔ مدینے کی فضا خوشبوؤں سے مہک رہی تھی ۔قبیلہ خزرج کے گھڑ سواروں کا ایک بہت بڑا دستہ، حضرت ثابت بن قیسؓ کی زیر قیادت دنیا کی سب سے عظیم المرتبت شخصیت کے فقید المثال استقبال کے لیے چاق و چوبند کھڑا تھا۔اللہ کے رسولؐ اپنے یارِ غار، حضرت صدیقِ اکبرؓ کے ساتھ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے ،تو حضرت ثابت بن قیسؓ نے اہلِ مدینہ کی جانب سے خوش آمدید کہتے ہوئے ایک فصیح و بلیغ خطبہ دیا ،جس کے اختتام پر اُنھوں نے کہا''اے اللہ کے سچّے رسولؐ! ہمارے والدین اور ہم آپؐ پر قربان، ہم اہلِ مدینہ، اللہ کو حاضر ناظر جان کر آپؐ سے عہد کرتے ہیں کہ ہم اپنی جان و مال سے زیادہ آپؐ کی اور آپؐ کے رفقاء کی حفاظت کریں گے اور تبلیغ اسلام میں آپؐ کے معاون و مددگار بنیں گے ، کیا اس کے عوض اللہ ہمیں کسی انعام سے نوازیں گے؟ اللہ کے محبوبؐ، نبیوں کے امامؐ ،خلقِ مجسّمؐ،خاتم المرسلینؐ، رحمت اللعالمینؐ کے رُخ انور پر ایک رُوح پرور مسکراہٹ آئی اور آپؐ نے جس انعام کا اعلان کیا، وہ اہلِ ایمان کے لیے وہ تحفۂ عظیم ہے کہ جس کے حصول کی خواہش اور آرزو ہر مسلمان کے لبوں پر دعاؤں کی صورت مچلتی رہتی ہے۔آپؐ نے فرمایا ''جنت''۔اس اعلان نے اہلِ مدینہ کے چہروں کو خوشی سے منور کر دیا اور وہ ایک دوسرے سے بغل گیر ہو گئے۔

خطیبِ رسول اللہؐ: حضرت ثابت بن قیسؓ کو اللہ نے تقریر و تحریر کی صلاحیتوں سے سرفراز فرمایا تھا اور پھر آواز بھی بارُعب، گونج دار اور سپاٹ تھی ۔ جب بات کرتے، تو اندازِ تکلم، بلندئ آواز اور مدلّل گفتگو مخاطب کو بات سننے پر مجبور کر دیتی ۔ خطاب کرتے، تو تقریر کا جادو سر چڑھ کر بولتا اور الفاظ کی روانی ، جملوں کی ترتیب و تشبیہات، آواز کا اُتار چڑھاؤ اس بپھتے پُرزور دریا کی مانند ہوتا، جو اپنے سامنے آئی ہر چیز بہالے جاتا ہے ۔ پھر سننے والا خطابت کے طلسم میں محو ہو کر جملوں کے سمندر میں ڈوبتا چلا جاتا او رتقریر کے اختتام پر حضرت ثابت بن قیسؓ کا معتقد ہو جاتا ۔ اہلِ مدینہ کی ہر تقریر، ہر وعظ اور ہر خطاب حضرت ثابتؓ سے شروع ہوتا اور ان ہی پر اختتام ہوتا ۔ شروع میں اہلِ مدینہ نے انہیں ''خطیب انصار'' کا خطاب دیا تھا، لیکن جب اُنہوں نے اپنے آپ کو تبلیغ دین اور خدمتِ نبویؐ کے لیے وقف کر دیا، تو پھر وہ ''خطیبِ رسول اللہؐ'' کے لقب سے یاد کیے جانے لگے ۔

کاتبِ وحی: حضرت ثابت بن قیسؓ مدینہ منورہ کے پڑھے لکھے لوگوں میں شامل تھے اور انھیں فنِ تقریر کے علاوہ تحریر میں بھی کمال حاصل تھا ۔ خوش خط ، پختہ، صاف اور روشن تحریر اُن کی خاص پہچان تھی ۔ رسول اللہؐ نے اُنہیں ''کاتب وحی'' کے منصب پر فائز فرمایا، تو وہ خُوب صورت انداز میں آیات، مبارکہ کی کتابت کرنے لگے ۔

حضرت ثابتؓ کی فضیلت: ہجرت کے آٹھویں سال فتح مکہ کے بعد رسول اللہؐ واپس مدینہ منورہ آئے، تو پورے عرب سے لوگ وفود کی صورت اسلام قبول کرنے کے لیے جوق در جوق آنے لگے، اُن ہی میں یمامہ سے بنو حنیفہ کا آنے والا وفد بھی شامل تھا، جس کی قیادت، مسیلمہ کذّاب کر رہا تھا ۔ اُس وفد نے مدینے میں 15 روز قیام کیا ۔ وفد کے تمام افراد روزانہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور حضرت ابی بن کعبؓ سے قرآنِ کریم کی تعلیم

لیتے، لیکن مسیلمہ مال واسباب کی حفاظت کے بہانے اپنی رہائش گاہ ہی پر رہتا۔ اُس نے بظاہر تو اسلام قبول کرلیا تھا، لیکن وہ بڑا کینہ پرور، منافق اور متکبّر انسان تھا۔ اللہ کے رسولؐ کی سادگی، مسلمانوں کی عاجزی وانکساری اُسے پسند نہ آئی۔ اُس کے ذہن میں تو مسلمانوں کے بادشاہ کا تصور قیصر وکسریٰ جیسا تھا، چنانچہ اُس نے اسلام کو دل سے قبول نہ کیا۔ ایک دن آنحضرتؐ نے حضرت ثابت بن قیسؓ سے فرمایا کہ آج بنوحنیفہ کے وفد سے ملاقات کریں گے، پھر آپؐ اُن کی رہائش گاہ تشریف لے گئے۔ مسیلمہ بن حبیب کذّاب، آپؐ سے مختلف سوالات پوچھتا رہا۔ آخر میں آنحضرت نے فرمایا ''اے مسیلمہ! یہ ثابت بن قیسؓ ہیں، جو میری طرف سے تجھ کو سوالوں کے جواب دیں گے۔'' یہ کہہ کر آپؐ نے حضرت ثابت بن قیسؓ کو وہاں چھوڑا اور خود تشریف لے گئے (بخاری، مسلم)۔

حضرت ثابتؓ کا ولولہ انگیز خطاب

مسیلمہ، مدینہ منورہ سے اپنے وطن یمامہ پہنچا اور نبوت کا دعویٰ کردیا۔ یہاں تک کہ اُس نے آنحضرتؐ کو خط لکھا کہ ''نبوت میں آپ اور میں دونوں شریک ہیں۔ لہٰذا نصف ملک قریش کا اور نصف میرا رہے گا۔'' رسول اللہؐ نے اس کا جواب لکھوا کر بنوحنیفہ کے ایک شخص رجال بن عُنفوہ کے ذریعے اُس تک پہنچوایا (تاریخ اسلام، اکبر شاہ نجیب آبادی) آپؐ کی رحلت کے بعد سیّدنا صدیق اکبرؓ نے اس فتنے کی سرکوبی کے لیے عکرمہؓ بن ابی جہل کو روانہ کیا، لیکن وہ شکست کھا گئے۔ اس کے بعد آپؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو 13 ہزار کا لشکر دے کر روانہ کیا، جس میں حضرت ثابت بن قیسؓ بھی شامل تھے۔ مسیلمہ کذّاب نے یمامہ میں 40 ہزار سے زیادہ جنگجو جمع کر رکھے تھے جنگ کے دوران ایک لمحہ وہ بھی آیا کہ جب مسیلمہ کے جنگجو، مسلمانوں پر بھاری پڑ گئے، ایسے میں حضرت ثابت بن قیسؓ نے ایک پُرجوش اور ولولہ انگیز خطاب کرتے ہوئے مجاہدین کا لہو گرما دیا، جس سے اُن کے حوصلے بلند ہوگئے۔

شہادتِ مردِ مومن: دوسرے دن کا سورج طلوع ہوا، تو یمامہ کے آسمانوں نے عزم و ہمت اور جذبۂ جہاد کا ایک ایمان افروز منظر دیکھا، جس نے جنگ کا پانسا ہی پلٹ دیا۔ حضرت ثابت بن قیسؓ نے سر سے کفن باندھا، کچھ اور صحابہؓ کو ساتھ لیا اور بپھرے شیر کی طرح دشمنوں پر حملہ آور ہو گئے۔ حضرت ثابتؓ کے جوش و جذبے کا یہ عالم تھا کہ وہ دشمنوں کی لاشوں کا ڈھیر لگاتے تنِ تنہا اُن کی صفوں کو چیرتے دُور تک نکل گئے۔ یہاں تک کہ دشمنوں نے اُنہیں چاروں طرف سے گھیر کر شہید کر دیا۔ حضرت ثابت بن قیسؓ کی اس شہادت نے مجاہدین میں شوقِ شہادت کو بیدار کر دیا اور پھر اُنہوں نے اللہ کی تائید و نصرت کے سائے میں متحد ہو کر نبوت کے جھوٹے دعویدار مسیلمہ کی فوج پر بھرپور حملہ کر دیا۔ اللہ نے فتح نصیب فرمائی۔ وحشی (حضرت حمزہؓ کے قاتل) نے اپنا نیزہ پھینکا، جو مسیلمہ کذّاب کی زرہ کو چیرتا ہوا اس کے جسم کے آر پار ہو گیا اور وہ جہنم رسید ہو گیا۔ جنگِ یمامہ ذی الحجہ 11 ہجری میں ہوئی (تاریخ اسلام، اکبر شاہ نجیب آبادی)۔

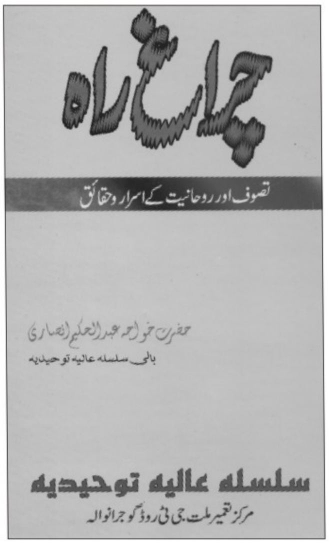
حضرت ثابتؓ کی خواب میں وصیّت: حضرت ثابتؓ لڑائی کے وقت ایک نہایت نفیس اور عمدہ زرہ زیبِ تن کیے ہوئے تھے۔ جب شہید ہو گئے تو کسی نے اُن کے جسم سے زرہ اُتار کر اپنے خیمے میں چُھپا لی۔ شہادت کی دوسری رات، ایک شخص کے خواب میں حضرت ثابتؓ آئے اور فرمایا ''میں ثابتؓ بن قیس ہوں، کیا تم نے مجھے پہچان لیا؟'' وہ بولا ''ہاں۔'' حضرت ثابتؓ نے فرمایا ''میں تجھے ایک وصیّت کر رہا ہوں، لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ تُو اسے خواب جان کر خاطر میں نہ لائے۔ جب کل میں شہید کر دیا گیا، تو فلاں شخص میرے پاس سے گزرا اور میری زرہ اُتار کر اپنے خیمے میں لے گیا، اس کا خیمہ فلاں سمت میں واقع ہے۔ اُس شخص نے میری زرہ اپنی دیگ میں رکھ کر اُس کے اوپر اونٹ کی کوہان پر رکھے جانے والے لکڑے رکھ دیے ہیں۔ تم خالد بن ولیدؓ کے پاس جاؤ اور اُن سے کہو کہ اس شخص سے زرہ حاصل کر لیں میں تمہیں ایک اور نصیحت کرتا ہوں اور دوبارہ متنبہ کرتا ہوں کہ اسے خواب سمجھ کر ضائع نہ کرنا۔

خالد بن ولیدؓ سے کہنا کہ جب تم مدینہ منورہ پہنچ کر خلیفۃ المسلمین سے ملو، تو اُن سے کہنا کہ ثابت بن قیسؓ پر اتنا قرض ہے اور فلاں، فلاں میرے غلام ہیں، لہٰذا میرے قرض کی ادائی کروا دیں اور میرے غلام آزاد کر دیں۔" وہ شخص نیند سے بیدار ہوا اور حضرت خالد بن ولیدؓ کو، جو کچھ دیکھا اور سُنا تھا، کہہ سُنایا۔ تمام باتیں سُن لینے کے بعد حضرت خالد بن ولیدؓ نے ایک صحابی کو زرہ لانے کے لیے بھیجا اور وہ زرہ نشان دہی کی ہوئی جگہ پر مل گئی۔ جب حضرت خالدؓ مدینہ منورہ لوٹ کر آئے، تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کو تمام حالات کہہ سُنائے اور حضرت ثابت بن قیسؓ کی خواب میں کی گئی وصیّت سے بھی آگاہ کیا، جس پر صدیق اکبرؓ نے وصیّت پوری کر دی۔ اللہ، حضرت ثابت بن قیسؓ سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے اور اللہ نے اُن کا ٹھکانہ اعلیٰ علیین میں بنایا۔ (بشکریہ! روزنامہ جنگ)۔

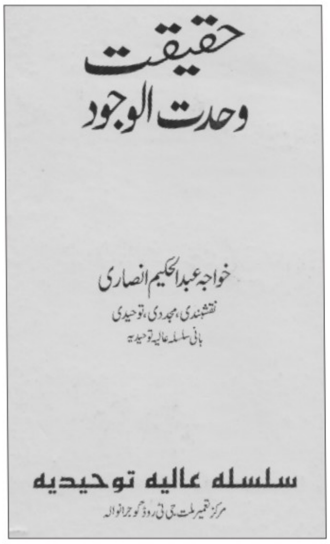
دعائے مغفرت

لاہور سے باباجان کے بڑے داماد خالد اسحاق صاحب کی والدہ
کھکھڑ سے بھائی اعجاز احمد مغل کی والدہ
راولپنڈی کے خادم حلقہ عبدالکریم کی بھانجی
بقضائے الٰہی وفات پا گئے ہیں (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّـا اِلَیْہِ رَاجِعونَ)
مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

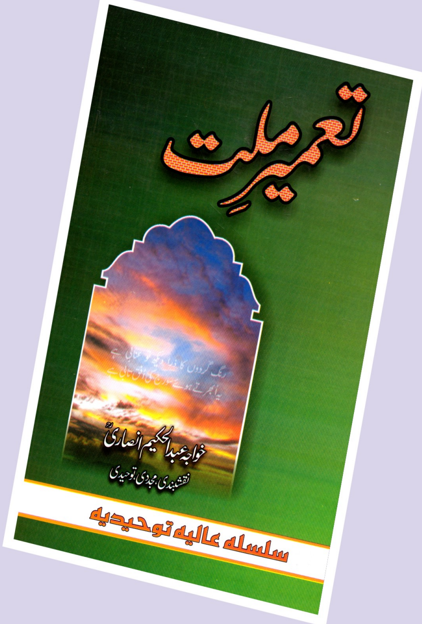


کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات ،مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔زوال اُمت میں اُمراء ،علماء،صوفیاء کا کردار۔علماء اورصوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پراثرات۔سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔



وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کردیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اورناگزیریت ،بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اورروحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہوجانے والی غلط فہمیاں۔

مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات



قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمّل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کردیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کردیئے ہیں جس پر عمل کرکے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبّت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کرسکتا ہے۔

Reg: CPL - 01

Website www.tauheediyah.com